بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حیاتِ زوجین
کا اِسلامی خاکہ

(قرآن وحدیث کی روشنی میں)

محمد یحییٰ بن عبدالحفیظ قاسمی

ناشر

مکتبہ نعیمہ

جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ ہیں

نام کتاب	:	حیاتِ زوجین کا اسلامی خاکہ قرآن و حدیث کی روشنی میں
مرتب	:	محمد یحییٰ بن عبدالحفیظ قاسمی
کمپوزنگ	:	رحمانی گرافکس،9270708963
صفحات	:	144
اشاعت	:	پہلا ایڈیشن2025ء
قیمت	:	
ناشر	:	مکتبہ نعیمہ ، ممبئی
ملنے کے پتہ	:	ادارۂ صدیق ڈابھیل 9664918503 مکتبہ نعیمہ ممبئی 9819886832

نمبر	عناوین	صفحہ
۱	تقریظ	۱۲
۲	پیش لفظ	۱۴
۳	نکاح کے مقاصد اور اس کے فضائل	۱۷
۴	قرآن و حدیث کی روشنی میں ضرورتِ نکاح	۱۷
۵	نکاح کے مقاصد قرآن وحدیث کی روشنی میں	۱۸
۶	(۱) میاں بیوی کی شرم گاہ کی حفاظت:	۱۸
۷	(۲) نصف ایمان کی تکمیل:	۱۸
۸	(۳) حاجتِ طبعیہ کی تسکین اور جائز طریقے سے لطف اندوزی:	۱۹
۹	(۴) عورت کی ضروریات کا تکفل اور ذمہ داری جو ایک بہت بڑی خدمت ہے:	۱۹
۱۰	(۵) نسلِ انسانی کی بقاء اور افزائش:	۱۹
۱۱	(۶) نبی کریم ﷺ کے لیے سببِ تفاخر:	۲۰
۱۲	نکاح کے اہم فضائل	۲۰
۱۳	بے نکاح مرد اور عورت محتاج و مسکین ہیں:	۲۲
۱۴	اللہ تعالی سے خوب پاکیزہ حالت میں ملنے کا عمل:	۲۲
۱۵	طویل ترین صحبتِ صالح کے حصول کا عمل:	۲۲
۱۶	اللہ تعالی کی مدد شاملِ حال کرنے والا عمل:	۲۲
۱۷	امورِ خانہ کی انجام دہی کے لیے نکاح کرنا	۲۳
۱۸	پانچویں پارے کی ابتدائی آیتوں کا جائزہ	۲۴
۱۹	قرنِ اوّل میں ایک دوسرے کو نکاح کی ترغیب و فہمائش اور پیشکش کرنا	۲۶
۲۰	افضل ترین سفارش	۲۸
۲۱	قرنِ اوّل میں طلاق یافتہ اور بیوگان کی از خود نکاح کی طرف پیش قدمی	۳۰
۲۲	بڑی عمر میں نکاح	۳۲

نمبر	عناوین	صفحہ
۲۳	لڑکی سے اس کے نکاح کے بارے میں اجازت طلب کرنا	۳۵
۲۴	ایک قدیم روایت:	۳۸
۲۵	وہ اوصاف جو ایک ہونے والی بیوی میں مطلوب ہوتی ہیں قرآن وحدیث کی روشنی میں	۴۰
۲۶	(۱) دین دار ہو:	۴۰
۲۷	(۲) حسب نسب والی خاندانی عورت ہو:	۴۰
۲۸	(۳) کنواری ہو:	۴۱
۲۹	(۴) زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی ہو:	۴۱
۳۰	(۵) امور خانہ داری کی اچھی دیکھ بھال کرنے والی اور بچوں پر شفیق و مہربان ہو:	۴۲
۳۱	(۶) اطاعت شعار اور فرمابردار ہو:	۴۲
۳۲	(۷) شوہر کی تعظیم کرنے والی ہو:	۴۳
۳۳	(۸) عفت مآب اور پاک دامن ہو۔	۴۳
۳۴	(۹) حسن و جمال والی ہو:	۴۴
۳۵	(۱۰) حسین سیرت، خوش اخلاق، خندہ مزاج، لین الطبع ہو۔	۴۵
۳۶	(۱۱) حلیم و بردبار ہو، سخت غیرت وغصے والی نہ ہو:	۴۵
۳۷	(۱۲) نکاح میں آسان ہو:	۴۶
۳۸	(۱۳) عورت مرد کے درمیان عمر کا بہت زیادہ تفاوت نہ ہو:	۴۶
۳۹	بیوی فربہ یا ہلکی؛ خوب صورتی کس میں ؟	۴۷
۴۰	محبت کا معیار	۵۰
۴۱	مرد کو اپنی بیوی سے اور عورت کو اپنے شوہر سے کتنی محبت ہونی چاہیے؟	۵۰
۴۲	محبّت گناہ نہیں:	۵۰
۴۳	محبت کسے کہتے ہیں؟	۵۱

نمبر	عناوین	صفحہ
۴۴	میاں بیوی کی محبت	۵۲
۴۵	اپنی بیوی سے محبت کا بڑھ جانا قابل ملامت نہیں ہے	۵۵
۴۶	نا محرم سے محبت	۵۷
۴۷	مطالبہ حقوق کا ہے محبت کا نہیں	۵۷
۴۸	محبت اور برتاؤ میں عورت کے درجہ کی تعیین	۵۸
۴۹	پانچ غلط فہمیاں عورتوں کے بارے میں اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ان کا ازالہ	۶۰
۵۰	غلط فہمی (۱): عورت مرد کی پسلی سے پیدا کی گئی ہے؛ لہٰذا اسے دل کے پاس پہلو میں رکھو۔	۶۰
۵۱	غلط فہمی (۲): عورتوں پر گھر کے کام کاج، کھانا بنانا، شوہر کی خدمت کرنا واجب نہیں ہے۔	۶۱
۵۲	غلط فہمی (۳): عورت گھر کی قیدی نہیں ہے، شوہر گھر سے باہر نکلنے پر پابندی نہیں لگا سکتا، عورت اطلاع کر کے جارہی ہے، شوہر کو بھی پتا ہے کہ وہ کہاں جاکر آئے گی تو پابندی کیوں؟	۶۳
۵۳	غلط فہمی (۴): عورت کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلانا سنت ہے، لقمہ بنا بنا کر اس کے منہ میں رکھنا اس کا حق محبت ہے۔ نبی کریم ﷺ بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ہاتھ مبارک سے کھانا کھلایا کرتے تھے۔	۶۳
۵۴	غلط فہمی (۵): عورت وفا کی مورت ہے۔ مرد مخلص نہیں ہوتے ہیں اگر ان کو وفا وخلوص سیکھنا ہو تو عورت سے سیکھیں:	۶۴
۵۵	بیوی کو خوش کیسے رکھیں؟	۶۵
۵۶	شوہر کیسا ہو؟	۶۷
۵۷	(۱) مرد نگاہ داشت کرنے والا ہو:	۶۷
۵۸	(۲) مرد نصیحت کرنے والا، اللہ کا ڈر دلانے والا اور خود اللہ سے ڈرنے والا ہو:	۶۸
۵۹	(۳) قرآن کریم کا علم رکھتا ہو:	۶۸
۶۰	(۴) مہر، نفقہ، سکنی اور ضروری اخراجات پورے کرنے والا ہو:	۶۹
۶۱	(۵) بیوی کو زیادہ مارنے والا اور ظلم وزیادتی کرنے والا نہ ہو نیز تنگ دست بھی نہ ہو:	۶۹

نمبر	عناوین	صفحہ
٦٢	(٦) مرد دیکھنے میں خوب صورت ہو یا ٹھیک ٹھاک ہو:	٧٠
٦٣	(٧)مرد عمر میں عورت سے بہت زیادہ بڑا نہ ہو:	٧٠
٦٤	(٨) دین دار اور بااخلاق ہو:	٧١
٦٥	(٩) لڑکا کفو اور ہم پلّہ ہو:	٧١
٦٦	کفاءت عورت کا حق ہے مرد کا نہیں:	٧٢
٦٧	داماد بنانے کے لیے صرف چند چیزوں کو دیکھ لیا جائے	٧٢
٦٨	مرد میں حسن و جمال	٧٣
٦٩	نبی آخر الزماں ﷺ کا حسن بے مثال ہے معیار	٧٣
٧٠	نبیٔ کریم ﷺ کے حلیہ مبارک کا مختصر خاکہ	٧٨
٧١	شوہر کے حقوق	٨٣
٧٢	عورت کے ذمہ کیا ضروری ہے قرآن و حدیث کی روشنی میں	٨٣
٧٣	(١) تعظیم کرنا:	٨٣
٧٤	(٢) اپنے آپ کو شوہر کا ماتحت جاننا:	٨٣
٧٥	(٣) شوہر کی ہر جائز کام میں اطاعت کرنا:	٨٤
٧٦	(٤) شوہر کو ایذا نہ پہنچانا:	٨٤
٧٧	(٥) شوہر کے عیوب کا افشا نہ کرنا:	٨٥
٧٨	(٦) شوہر کو بلا وجہ ہم بستری سے انکار نہ کرنا:	٨٥
٧٩	(٧) شوہر کے لیے بناؤ سنگھار کرنا اور خوشبو استعمال کرنا:	٨٦
٨٠	(٨)نفقہ میں ضرورت سے زیادہ کا مطالبہ نہ کرنا:	٨٧
٨١	(٩)مرد کے ساتھ بدزبانی نہ کرے، شیریں گفتار رہے:	٨٨
٨٢	(١٠) شوہر کی اجازت کے بغیر دینی اجتماعات، غیر واجب حصول علم اور نوافل میں مشغول نہ ہو:	٨٨

نمبر	عناوین	صفحہ
۸۳	(۱۱) بلا ضرورت طلاق کا مطالبہ نہ کرے:	۸۹
۸۴	(۱۲) شوہر سے خیانت نہ کرے:	۹۰
۸۵	(۱۳) شوہر کے راز فاش نہ کرے بالخصوص اگر کسی کی متعدد بیویاں ہوں:	۹۰
۸۶	(۱۴) شوہر کی ناشکری نہ کرے:	۹۲
۸۷	بیوی کے حقوق	۹۳
۸۸	شوہر کے ذمہ کیا ضروری ہے قرآن و حدیث کی روشنی میں	۹۳
۸۹	(۱) خوش اخلاقی کا برتاؤ کرنا:	۹۳
۹۰	(۲) اچھی طرح نان و نفقہ دینا:	۹۴
۹۱	(۳) استطاعت کے مطابق رہائش دینا:	۹۵
۹۲	(۴) بیوی کے لیے پوشاک کا انتظام کرنا:	۹۶
۹۳	(۵) اپنی بیویوں کو نہ گالی دے نہ برا بھلا کہے اور نہ ہی غیر شرعی مار مارے:	۹۷
۹۴	(۶) نکاح کے وقت جو شرطیں لگائی گئی تھیں ان کی پاسداری کرنا:	۹۹
۹۵	(۷) دو یا زیادہ بیویاں ہوں تو ان کے درمیان میں عدل کرنا:	۱۰۰
۹۶	شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے ساتھ کیسی معاشرت رکھیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں	۱۰۲
۹۷	ایک دوسرے کی خاطر داری کے اصول و آداب:	۱۰۲
۹۸	مشترکہ (دونوں کے لیے) تعلیمات:	۱۰۲
۹۹	شوہر کے لیے تعلیمات	۱۰۳
۱۰۰	(۱) عورت کی خوبیوں پر نظر ہو:	۱۰۳
۱۰۱	(۲) بیوی کی کوتاہیوں سے درگذر کرنا چاہئے اس کی نامناسب باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے حسن سلوک کا برتاؤ کرنا چاہیے:	۱۰۳

نمبر	عناوین	صفحہ
۱۰۲	(۳) بیوی کے مزاج اور خوش دلی کا خیال رکھنا:	۱۰۴
۱۰۳	(۴)موقع ملنے پر یا موقع نکال کر بیوی کے ساتھ کوئی کھیل کھیلنا:	۱۰۴
۱۰۴	(۵) بیوی کی ناراضگی اور خوشی جاننا چاہئے:	۱۰۵
۱۰۵	(۶) بیوی کی باتوں پر مسکرانا چاہیے:	۱۰۶
۱۰۶	(۷) بیوی کو اس کے والدین کے پاس (مائیکے) جانے سے نہ روکنا اور ساس سسر و دیگر سسرالی رشتہ داروں کی تعریف و تعظیم کرنا:	۱۰۶
۱۰۷	(۸)بلا وجہ بیوی پر شک نہ کرے:	۱۰۷
۱۰۸	بیوی کے لیے تعلیمات	۱۰۸
۱۰۹	(۱) بیوی شوہر کی خدمت کرے اور اس خدمت کو اپنی خوش قسمتی یقین کرے احسان نہ سمجھے:	۱۰۸
۱۱۰	(۲) اگر شوہر ناراض ہو جائے تو اس کو منانے میں پہل کرے:	۱۰۹
۱۱۱	(۳)اپنے شوہر کی شکر گزار رہے، ناشکری نہ کرے اور شوہر کی طرف سے احسان ہونے پر شکریہ کے الفاظ کہنا مفید ہے:	۱۱۰
۱۱۲	(۴)بوقتِ ضرورت مال سے بھی مرد کی معاونت کرے:	۱۱۰
۱۱۳	(۵) گھریلو یا دیگر ذمہ داریوں میں شوہر کا ہاتھ بٹانا:	۱۱۱
۱۱۴	(۶) پیار محبت سے شوہر سے اپنی بات منوائے، نہ کہ ضد، ہٹ دھرمی اور غصہ سے:	۱۱۲
۱۱۵	(۷) روزانہ کھانا کیا بنے گا؟ اس کا بار شوہر پر نہ ڈالے بلکہ خود ہی شوہر کے مزاج کا خیال رکھتے ہوئے کھانا بنالے:	۱۱۲
۱۱۶	(۸) اگر شوہر طلاق کا ارادہ رکھتا ہے تو اپنے حقوق معاف کرا کے نکاح میں باقی رکھنے پر مصالحت کرلے	۱۱۳
۱۱۷	(۹) شوہر کے سامنے بن ٹھن کر، آراستہ پیراستہ ہو کر، عمدہ خوشبو لگا کر، بہترین لباس زیب تن کر کے رکھے، مرد کو بھی چاہیے کہ وہ بھی حسب سہولت عورت کے لیے اچھا لباس پوشاک اور عمدہ وضع قطع رکھے۔	۱۱۴

نمبر	عناوین	صفحہ
۱۱۸	(۱۰) سوتن کے سلسلے میں مرد کو پریشان نہ کرے:	۱۱۴
۱۱۹	جماع اور کثرتِ جماع	۱۱۵
۱۲۰	جماع میں عورت کا حق	۱۱۷
۱۲۱	جماع کے آداب و مسائل قرآن و حدیث کی روشنی میں	۱۱۹
۱۲۲	(۱)نیت:	۱۱۹
۱۲۳	(الف) استمتاع کی نیت:	۱۱۹
۱۲۴	(ب)پاک دامنی کی نیت:	۱۱۹
۱۲۵	(ج) تحصیلِ نسل کی نیت:	۱۱۹
۱۲۶	(د) تکثیر الاسلام و المسلمین کی نیت:	۱۲۰
۱۲۷	(۲)شبِ زفاف میں پہلی ملاقات کے وقت یہ دعا پڑھنا:	۱۲۱
۱۲۸	(۳)جماع کے وقت انزال سے پہلے دل میں یہ دعا پڑھے:	۱۲۱
۱۲۹	(۴)جماع سے پہلے دل لگی کی باتیں کرنا،بیوی کے ساتھ اٹھکیلیاں کرنا(ملاعبت کرنا):	۱۲۱
۱۳۰	(۵)جماع کے وقت مکمل برہنہ ہونا جائز ہے البتہ چادر لے لینا سلیقہ مندی ہے:	۱۲۱
۱۳۱	(۶)شوہراور بیوی ایک دوسرے کا ستر (شرم گاہ) دیکھ سکتے ہیں لیکن آداب زندگی اورشرم وحیاء کاانتہائی درجہ یہی ہے کہ شوہراور بیوی بھی آپس میں ایک دوسرے کا ستر (شرم گاہ) نہ دیکھیں:	۱۲۲
۱۳۲	(۷) کھلے میں پردہ کیے بغیر یا آسمان کے نیچے جماع کرنا:	۱۲۳
۱۳۳	(۸)دوسری بیوی کے سامنے جماع کرنا:	۱۲۳
۱۳۴	(۹)ناسمجھ (غیر ممیز) بچے کے سامنے جماع کرنا جائز ہے لیکن ناشائستہ عمل ہے:	۱۲۴

نمبر	عناوین	صفحہ
۱۳۵	(۱۰) جماع کے وقت غیر اختیاری طور پر نکلنے والی آواز ، سرسراہٹ کسی دوسرے کے کان تک نہ جائے	۱۲۴
۱۳۶	(۱۱) جماع کرتے وقت باتیں کرنا:	۱۲۴
۱۳۷	(۱۲)جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن جماع کرنا:	۱۲۵
۱۳۸	(۱۳) ہم بستری کرنے کا طریقہ:	۱۲۵
۱۳۹	(۱۴) عزل کرنا:	۱۲۸
۱۴۰	(۱۵) جماع کے وقت عورت پر اپنے بدن کا بوجھ نہ ڈالے:	۱۳۰
۱۴۱	(۱۶)رات کے آخری حصہ میں جماع کرنا:	۱۳۰
۱۴۲	(۱۷)ایک مرتبہ جماع سے فارغ ہونے کے بعد دوسری مرتبہ جماع کرنا چاہے تو پہلے وضو کرلے:	۱۳۱
۱۴۳	(۱۸)جماع کرکے غسل کیے بغیر سوجانا؟	۱۳۱
۱۴۴	(۱۹)جماع میں عورت کی فراغت کا بھی خیال رکھنا:	۱۳۲
۱۴۵	(۲۰) جماع کے بعد میاں بیوی کا ایک ساتھ غسل کرنا:	۱۳۲
۱۴۶	(۲۱)غسل خانہ میں نہاتے ہوئے جماع کرنا جائز ہے لیکن خلاف ادب ہے:	۱۳۳
۱۴۷	(۲۲)مرد کی اگر کسی پرائی عورت پر نظر پڑ گئی، جو اس کو اچھی لگی اور اس کی طبیعت میں میلان ہوا تو مرد کے لیے مستحب ہے کہ وہ گھر آ کر جماع کرلے:	۱۳۳
۱۴۸	(۲۳)دن یا رات کے کسی وقت عورت کام میں مشغول ہو اور مرد جماع کا تقاضا کرے تو عورت کو اطاعت کرنا لازم ہے:	۱۳۴
۱۴۹	(۲۴) عورت کس وقت جماع سے منع کرسکتی ہے؟	۱۳۴
۱۵۰	(۲۵) مرد اس طرح جماع نہ کرے کہ عورت کو نقصان ہو:	۱۳۴
۱۵۱	(۲۶) عورت اگر جماع کا مطالبہ کرے؟	۱۳۵

صفحہ	عناوین	نمبر
۱۳۶	(۲۷) کتنی مرتبہ جماع کرے؟	۱۵۲
۱۳۶	(۲۸)ایک بیوی سے جماع روک کر دوسری بیوی کے لیے جماع کی قوت محفوظ کرنا تاکہ دوسری بیوی سے لذت زیادہ محسوس ہو؟	۱۵۳
۱۳۶	(۲۹)حاملہ اور مرضعہ بیوی سے جماع کرنا؟	۱۵۴
۱۳۷	(۳۰) رمضان میں بیوی سے مقاربت کا حکم؟	۱۵۵
۱۳۷	(۳۱)حیض یا نفاس کی حالت میں بیوی سے مقاربت کرنا؟	۱۵۶
۱۳۸	(۳۲)مشت زنی کرنا اور مرد یا عورت کا جنسی کھلونے (آلات) استعمال کرنا؟	۱۵۷
۱۳۹	(۳۳)بیوی کے ہاتھ سے مشت زنی کروانے کا حکم؟	۱۵۸
۱۳۹	(۳۴) بیوی کے دو پستانوں کے درمیان یا دو رانوں کے درمیان ذکر داخل کرکے منی خارج کرنا؟	۱۵۹
۱۴۰	(۳۵)عورت کی شرم گاہ میں انگلی ڈالنا، اس کی شرم گاہ کو ہاتھ سے سہلانا یا بظر سے کھیل کر عورت کو لذت دینا جائز ہے۔	۱۶۰
۱۴۱	(۳۶)میاں بیوی کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو چومنا:	۱۶۱
۱۴۲	(۳۷)دبر (پچھلی راہ) میں دخول کرنا یا صرف ذکر رگڑنا:	۱۶۲
۱۴۳	(۳۸)جماع کے ذریعہ باہم فخر کرنا:	۱۶۳
۱۴۳	(۳۹)مرد یا عورت کا ہم بستری کے باتیں دوستوں میں بیان کرنا:	۱۶۴
۱۴۳	(۴۰)جماع کرنے کا علم حاصل کرنا:	۱۶۵

تقریظ

از حضرت مولانا مفتی رضوان صاحب اعظمی

خادم حدیث ادارۂ دینیات مدرسہ فائن ٹچ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ؛ أَمَّا بَعْدُ:

نکاح انسانی زندگی کا عظیم رشتہ ہے، حدیث میں اسے نصفِ ایمان کی تکمیل قرار دیا ہے، یہ ایک انسانی ضرورت بھی ہے، بقاءِ نسل کا ذریعہ بھی، معاشرتی پاکیزگی، خاندانی وقار اور عفت و پاکدامنی کی حفاظت میں اس کا اہم کردار ہے۔ دینِ اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ اس نے اپنے ماننے والوں کو نکاح کی بکثرت ترغیب دی، اسے عبادت کا درجہ عطا کیا اور تجرد و لا زوجیت کی زندگی کی حوصلہ شکنی کی۔قرآن و حدیث میں جا بجا اسے مستحسن عمل گردانا گیا، نبیِ اسلام جناب محمد ﷺ نے قولی و عملی دونوں سطح پر اس کی ترویج و تفہیم کا فریضہ انجام دیا، نبیٔ اکرم ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ جو بھی صاحبِ استطاعت ہو وہ ضرور نکاح کرے، یہ میری سنّت ہے۔

کتبِ حدیث و فقہ میں کتاب النکاح کے عنوان سے نکاح کے آداب و احکام مفصل بیان کیے گئے ہیں، نیز اردو زبان میں بھی بہت سے چھوٹے بڑے رسائل و کتابچے اس موضوع پر شائع ہو چکے ہیں۔

یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے، جو ہمارے رفیقِ تدریس محترم مفتی محمد یحییٰ صاحب دام اِقبالُہ نے ترتیب دی ہے۔ یہ کتاب در اصل ان قیمتی مضامین کا مجموعہ ہے، جنہیں موصوف مکرم نے موقع بموقع سوشل میڈیا پر قلمبند فرمائے تھے۔ ان تحریروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور اب دوست احباب کے مطالبے پر انہیں زیورِ طبع سے آراستہ کیا جا رہا ہے۔

زیرِ نظر کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عام فہم اور دلنشیں اسلوب میں لکھی گئی ہے۔خواص و عوام دونوں طبقوں کے لیے یکساں مفید ہے۔اس میں نکاح کے اغراض و مقاصد، احکام و مسائل اور دنیوی و اخروی فوائد کے ساتھ ساتھ زن وشوئی کے بہت سے ان موضوعات کو شاملِ کتاب کیا گیا ہے جو دوسری متعلقہ کتابوں میں شرم وحیا کے پیشِ نظر بیان نہیں کئے گئے۔ یہی چیز

اس کتاب کا طرۂ امتیاز ہے۔ حالاں کہ دینی احکام ومسائل میں شرم وحیا درست نہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے صحابہ وصحابیات ہر طرح کے سوالات کرتے تھے اور آپ ﷺ پوری خندہ روئی کے ساتھ ان کے جوابات مرحمت فرمایا کرتے تھے۔

مؤلفِ محترم کے حکم پر یہ چند سطریں لکھنے کی جسارت کی ہے، ورنہ بندہ خود کو اس کا اہل نہیں پاتا۔ اس گفتنی سے صرف تعمیلِ حکم مقصود ہے۔

دعا گو ہوں کہ باری تعالیٰ اس کتاب کو قبولِ عام عطا فرمائے، عوام وخواص دونوں کے حق میں نافع اور نکاح سے متعلق اسلامی تعلیمات وہدایات سے آگاہی کا ذریعہ بنائے۔

آمین یا رب العالمین

محمد رضوان اعظمی

پیش لفظ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ، وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ.

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو انسان کی انفرادی، اجتماعی، اخلاقی، روحانی، معاشرتی، ازدواجی اور خاندانی زندگی کے تمام پہلوؤں میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اسلام صرف عبادات تک محدود نہیں؛ بلکہ زندگی کے ہر گوشے کو پاکیزگی، تہذیب اور فطری اصولوں کے تابع کر دیتا ہے۔ نکاح، جو بظاہر ایک سماجی معاہدہ ہے، حقیقت میں روحانی سکون، اخلاقی حفاظت، جسمانی طہارت اور معاشرتی اصلاح کا بہترین ذریعہ ہے۔ اور عبادت، سکون، محبت، عفت اور ذمہ داری کا حسین امتزاج ہے۔

اسی طرح ”جماع“ نہ صرف فطری ضرورت کی تکمیل ہے بلکہ اس کے آداب، حدود اور احکام بھی شریعت اسلامی کا حصہ ہیں، جن کی صحیح تفہیم ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ جسے قرآن و سنت میں نہایت حکمت، شرم و حیا اور فطری اعتدال کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

ہم بستری کا تعلق اگرچہ جسمانی خواہش سے ہے، لیکن اسلام نے اسے بھی ثواب، آداب اور نیت کی پاکیزگی سے عبادت کے درجے پر فائز کر دیا ہے۔

افسوس کہ آج کے دور میں ان امور پر یا تو غیر ضروری پردہ ڈال دیا گیا ہے، یا پھر انتہائی غیر اخلاقی انداز میں انہیں موضوعِ گفتگو بنایا گیا ہے۔ نتیجتاً نوجوان نسل صحیح رہنمائی سے محروم ہو کر افراط و تفریط کا شکار ہو چکی ہے۔

ہاں، یہ ایک ایسا باب بھی ہے جس پر اکثر لوگ بات کرنے سے جھجکتے ہیں مگر خوشگوار ازدواجی زندگی کے لیے وہ نہایت ضروری ہے۔

لوگ اپنے نوجوانوں کو نہ میاں بیوی کا رہن سہن سکھاتے ہیں کہ کس طرح بیوی شوہر کی تعظیم و خدمت انجام دے، اطاعت و فرماں برداری سے اس کی محبوبہ بن جائے، اور شوہر اپنی رفیقۂ حیات کا ہر اعتبار سے خیال رکھے اس کو گھر کا سکون دے کر گھر کی زینت بنائے اور نہ ہی آپسی مباشرت قرآن و حدیث کی روشنی میں وہ نوجوان کہیں سے حاصل کر پاتے ہیں۔

یہ رسالہ محض معلومات نہیں، بلکہ شرعی رہنمائی، نفسیاتی حکمت اور محبت بھرے انداز میں پیش کیا گیا ہے، تاکہ یہ تعلق محض جسمانی نہ رہے بلکہ روحانی اور جذباتی قربت کا بھی ذریعہ بنے۔

اس کتاب کے مضامین دراصل وہ "قیمتی پیغامات" ہیں جو میں نے وقتاً فوقتاً واٹس ایپ پر بھیجے، کبھی سنجیدہ نصیحت کے طور پر، کبھی ہلکی سی مسکراہٹ بکھیرنے کے لیے اور کبھی دلوں کو جوڑنے والی بات کے طور پر۔ اس میں عورت کی حیثیت و منزلت، شوہر کی ذمہ داریاں، میاں بیوی کے رہن سہن کے آداب، گھریلو زندگی کے سنہرے اصول اور رشتے کو مزید خوشگوار بنانے کے طریقے شامل ہیں۔

یہ کتاب آپ کے ہاتھ میں صرف مسائل و احکام کا مجموعہ نہیں، بلکہ نکاح، ازدواجی تعلقات اور میاں بیوی کی روزمرہ زندگی کے نشیب و فراز کا ایسا سفرنامہ ہے جس میں سنجیدگی بھی ہے اور چٹکی بھر مزاح بھی۔ اس میں آپ کو شرعی رہنمائی ملے گی، تجربات کی خوشبو آئے گی اور کچھ دلچسپ واقعات پڑھ کر چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ بھی۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ بات علمی بھی ہو، عملی بھی اور دل کو بھانے والی بھی۔

اس کتاب میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ ہر بات قرآن و حدیث سے مدلل ہو؛ تقریباً تمام باتوں کو باحوالہ لکھا ہے۔ بہت سی باتیں ہم نے ہو بہو کتابوں سے نقل کی ہیں۔ لوگوں کی باتیں اور تجربات میں خطا ہو سکتی ہے لیکن قرآن و سنت اس سے پاک ہے۔

رہنمائی کا مقصد یہی ہے کہ شوہر اور بیوی قرآن و حدیث سے روشنی لے کر اپنی ذمہ داریاں جانیں اور ان کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ گھرانے جو آج کل دنگل بن چکے ہیں، جماع جو صرف قضائے ضرورت کا نام بن چکا ہے اس کی اصلاح کریں۔ اور جائز حدود میں رہ کر مکمل استمتاع کریں۔

اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے ہمیں اور ہمارے معاونین کو بالخصوص ہمارے والدین کو آخرت میں اس کا صلہ عطا فرمائے۔

ناسپاسی ہوگی اگر ان احباب کا شکریہ ادا نہ کیا جائے جنھوں نے اس کتاب کی اہمیت کو سمجھ کر شائع کرانے کا مشورہ دیا اور مدد فراہم کی، بالخصوص مولانا محمد رضوان صاحب اعظمی (شیخ الحدیث فائن ٹچ ممبئی) جنھوں آخری نظر ڈال کر مہر ثبت کی اور گراں قدر تقریظ لکھ کر ہمت افزائی فرمائی۔

ہم نے اس کتاب کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے:

پہلا باب: نکاح کے مقاصد و فضائل اور اس کے احکام۔

دوسرا باب: بیوی کیسی ہونی چاہیے؟ عورت کا حسن اور محبت کا معیار، عورت کی حیثیت و منزلت۔

تیسرا باب: شوہر کیسا ہونا چاہیے، اور مرد کے حسن کا معیار۔

چوتھا باب: میاں بیوی کے معاشرتی حقوق اور رہن سہن کے اسلامی آداب۔

پانچواں باب: جماع کے ۴۰/ احکام و آداب قرآن و حدیث کی روشنی میں۔

آپ قارئین کے ہم مشکور ہوں گے کہ اگر کوئی غلطی آپ کو کتاب میں نظر آئے اور اس پر آپ ہمیں مطلع فرمائیں۔

دعا ہے کہ اس کتاب کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے والدین کو اور ہمارے معاونین کو اور ہمارے قارئین کو دنیا اور آخرت میں نفع دے۔آمین یا ربَّ العالمِین.

وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيمِ

محمد یحییٰ بن عبد الحفیظ قاسمی

خادم تدریس مدنی مدرسہ (ملت) جوگیشوری، ممبئی

ومفتی دار الافتاء و الارشاد اندھیری، ممبئی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی رَسُولِہِ الۡکَرِیمِ.

نکاح کے مقاصد اور اس کے فضائل

قرآن و حدیث کی روشنی میں ضرورتِ نکاح

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا﴾ [الأعراف:۱۸۹]

ترجمہ: ”وہی اللہ جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اسی کی جنس سے ایک جوڑا بنایا تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے۔“

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ضرورتِ سکون کے لیے عورت کو ذریعہ بنایا ہے، اور انسان کا قلبی سکون واطمینان بلکہ ہر طرح کا سکون عورت سے وابستہ ہے، تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی طریق (نکاح) کو اختیار کیا ہے۔

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً﴾ [الرعد:۳۸]

ترجمہ: ”(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ سے پہلے یقیناً رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بھی بیویاں اور بچے عطا کیے۔“

قانونِ قدرت کے مطابق انسانی زندگی میں ”نکاح“ کو ایک ضرورت کا درجہ حاصل ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”جب جسم میں منی کی تولید زیادہ ہوتی ہے تو اس کے اَبخرے دماغ کی طرف چڑھتے ہیں، پس وہ خوبصورت عورت کو دیکھنے کی رغبت پیدا کرتے ہیں اور دل اس کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے۔ اور مادّہ کا ایک حصہ شرمگاہ کی طرف اترتا ہے اس میں شہوت پیدا ہوتی ہے اور جنسی خواہش بھڑکتی ہے اور ایسا اکثر عالمِ جوانی میں ہوتا ہے۔ یہ نفس کا ایک بڑا حجاب ہے، جو اس کو نیکوکاری میں اِنہماک سے روکتا ہے اور اس کو بدکاری پر اُبھارتا ہے۔ اور اس کے اخلاق کو بگاڑ دیتا ہے اور باہمی معاملات کی خرابی کے بھنور میں پہنچا دیتا ہے۔ پس اِس حجاب کو دور کرنا ضروری ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ:۵/۲۴)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ فطری طور پر مرد وعورت کے اندر جنسی خواہشات رکھی گئی ہیں۔ لذت ایک ایسی شئ ہے جس کا طالب نہ صرف انسان ہے بلکہ ہر حیوان اس کا طالب ہے۔ وہ

بذاتِ خود قابلِ مذمت چیز نہیں ہے۔ قابلِ مذمت اس وقت قرار پاتی ہے جب اس کا غلط استعمال کیا جائے اور امورِ خیر کو ترک کرکے ناروا مقامات کو اس کے استعمال کے لیے منتخب کیا جائے۔ اس فطری جذبے کو پورا کرنے کا حلال راستہ یہی "نکاح" ہے۔ نکاح چھوڑنے سے کئی فتنوں میں مبتلا ہوجانے کا خطرہ رہتا ہے۔ قدرتی طور پر انسان کے اندر جو شہوت کا مادّہ ہے، وہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اگر نکاح نہ ہو تو ناجائز طریقے سے یہ تقاضا پورا کرنے کی طرف میلان ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حرام سے بچنے کے لیے یہ حلال راستہ رکھا ہے۔

نکاح نام ہے: "مرد وعورت کا ایجاب وقبول کے مخصوص الفاظ دو گواہوں کی موجودگی میں بول کر ایک خاص قسم کا دائمی تعلق اور رشتہ قائم کرنا"۔

اللہ تعالیٰ نے اسے عبادت کا درجہ دیا ہے اور تمام مذاہب میں اسے مباح قرار دیا گیا ہے۔

نکاح اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے دین اور دنیا دونوں کے کام اس سے درست ہوجاتے ہیں اور اس میں بہت سے فائدے اور بے انتہا مصلحتیں ہیں: آدمی گناہ سے بچتا ہے، دل ٹھکانے ہوجاتا ہے، نیت خراب اور ڈانواں ڈول نہیں ہونے پاتی اور بڑی بات یہ ہے کہ فائدے کا فائدہ اور ثواب کا ثواب؛ کیوں کہ میاں بیوی کے پاس بیٹھ کر محبت پیار کی باتیں، ہنسی دل لگی میں دل بہلانا نفل نمازوں سے بھی بہتر ہے۔ (بہشتی زیور)

نکاح کے مقاصد قرآن وحدیث کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے قران مجید میں اور اپنے آخری نبی ﷺ کی زبانی نکاح کی اہمیت وفضیلت کو اور اس کے مقاصد کو بیان کیا ہے:

(۱) میاں بیوی کی شرم گاہ کی حفاظت: نبی کریم ﷺ نے نوجوانوں سے خطاب فرمایا کہ: اے جوانو! گھر بسانے کو لازم پکڑو یعنی جو گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرلے، اس لیے کہ نکاح نگاہ کو بہت زیادہ پست کرنے والا اور شرم گاہ کی بہت زیادہ حفاظت کرنے والا ہے، اور جو گھر بسانے کی یعنی نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزوں کو لازم پکڑے اس لیے کہ روزہ اس کے لیے شہوت ٹوٹنے کا ذریعہ ہے۔ (بخاری:۵۰۶۵)

(۲) نصف ایمان کی تکمیل: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب بندہ نکاح کرلے تو اس نے اپنا آدھا دین مکمل کرلیا، پس چاہیے کہ وہ دوسرے آدھے دین

کے بارے میں اللہ سے ڈرے۔ (شعب الایمان بحوالہ مشکاۃ)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عام طور سے آدمی کے دین کو خراب کرنے والی دو چیزیں ہوتی ہیں ایک ''فرج''، یعنی شرمگاہ، دوسرا ''بطن''، یعنی پیٹ، نکاح ان دو میں سے ایک سے کفایت کرتا ہے اس لیے اس کو نصف دین کہا گیا۔

(۳) حاجتِ طبعیہ کی تسکین اور جائز طریقے سے لطف اندوزی:

علماء نے لکھا ہے کہ: منافعِ نکاح میں یہی ایک منفعت ایسی ہے جو جنّت میں بھی پائی جائے گی اس لیے کہ جنّت میں گو نکاح ہوگا لیکن توالد و تناسل وہاں نہیں ہوگا بلکہ صرف حصولِ لذت وراحت کے لیے ہوگا اور نکاح کے اس فائدے کا حصول محسوس و مشاہد ہے اور احادیث میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔ جو آگے آنے والی ہیں۔

(۴) عورت کی ضروریات کا تکفل اور ذمہ داری جو ایک بہت بڑی خدمت ہے:

مرد کو گھر کا ذمہ دار خاندان کا محافظ، اس کی نگہداشت کرنے والا بنایا گیا ہے جیسا کہ: ﴿الرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ [النساء:۳۴] (مرد عورتوں کے نگراں ہیں۔) میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ ضروریات کی کفالت اور ساری ذمہ داریاں مرد کے سر ہوں گی۔

یہ ایک بڑی خدمت ہی نہیں بلکہ زبردست نظامِ زندگی ہے۔ اس لیے کہ بیوی کے تکفل کے ساتھ چھوٹے بچوں کا بھی تکفل ہے نیز ان کی تعلیم و تربیت اور اس کا نظم بھی مرد کے ذمے ہے۔

(۵) نسلِ انسانی کی بقاء اور افزائش:

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا فرمایا اور نسل انسانی کے بقاء کے لیے ایک مہذب، پاک ستھرا طریقہ عقد نکاح کو رکھا، اس میں انسان کے نسب کی بھی حفاظت ہے، کسی پر ظلم و زیادتی بھی نہیں، نہ کسی کی عصمت کے ساتھ کھلواڑ ہے بلکہ ایک ایسا طریقہ ہے جس میں پیار و محبت ہے اور سکون و راحت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ [الروم:۲۱]

ترجمہ: ''اسی کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہیں میں سے جوڑے

(بیویاں) بنادیے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی پیدا کردی۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جوغور وفکر سے کام لیتے ہیں۔“

عام طور پر انسان کو اجنبی شخص سے قلبی محبت نہیں ہوتی، شوہر اور بیوی نکاح سے پہلے ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوتے ہیں لیکن رشتۂ نکاح کے ذریعہ اللہ ان دونوں کے درمیان قلبی محبت پیدا فرمادیتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو محبت کرنے والوں کے لیے نکاح کے مانند کوئی چیز نہیں دیکھی گئی۔ (مشکاۃ المصابیح، کتاب النکاح)

یعنی نکاح کی وجہ سے دو محبت کرنے والوں کے درمیان ظاہری ربط وتعلق پیدا ہوجاتا ہے تو یہ ظاہری تعلق باطنی تعلق میں اضافے کا باعث بنتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ جب کسی آدمی کی نظر اجنبی عورت پر پڑ گئی ہو اور وہ اس پر فریفتہ ہوگیا ہو تو اس سے نکاح کرلینا محبت میں مزید اضافے کا باعث بنتا ہے جب کہ اس سے زنا اور بدکاری بغض وعداوت کو جنم دیتی ہے۔ (نفحات)

(٦) نبی کریم ﷺ کے لیے سببِ تفاخر: اُمّتِ محمدیہ کے افراد کا زیادہ ہونا بھی ایک اہم مقصد ہے۔ جس کی حضور ﷺ نے تمنا فرمائی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: میں تمہاری کثرت پر قیامت کے دن فخر کروں گا۔ (ابوداؤد:۲۰۵۰) اِسی طرح قومی طاقت اور توانائی کا دارومدار کثرتِ آبادی اور ان کی مادّی واندرونی قوت پر منحصر ہے۔

نکاح کے اہم فضائل

نکاح کی سب سے بڑی فضیلت تو یہ ہے کہ نکاح نہ صرف ہمارے آخری نبی ﷺ کی سنت ہے؛ بلکہ تمام انبیاء ورسولوں کی مشترکہ سنت ہے۔ (ترمذی) اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً﴾ [الرعد:۳۸]

ترجمہ: ”ہم نے آپ سے پہلے بھی کئی پیغمبر بھیجے ہیں، ہم نے ان کو بھی بیویاں اور بچے عطا کیے۔“ احیاء العلوم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صرف انہی انبیاء کا ذکر فرمایا ہے جو متاہل اور شادی شدہ تھے حتی کہ یحییٰ علیہ السلام نے بھی اگرچہ مجامعت نہیں فرمائی لیکن نکاح کیا تھا محض فضیلتِ نکاح کے لیے اور سنّت کو قائم کرنے کے لیے بعض نے کہا: حفاظتِ نگاہ کے لیے، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی جب نزول فرمائیں گے تو اس وقت نکاح کریں گے اور ان کی اولاد بھی

ہو گی۔ (الدر المنضود)

نبیٔ کریم ﷺ نے بے نکاحوں سے لاتعلقی کا اظہار فرمایا اور ایک حدیث میں فرمایا کہ: ان کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ بے نکاح شیطان کے بھائی ہیں۔

چند احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تین صحابی رضی اللہ عنہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے ایک زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور آپ ﷺ کے احوال کے بارے میں معلوم کیا۔ جب ان کے سامنے آپ کی عبادات کے احوال کو بیان کیا گیا تو انھوں نے آپ کی عبادت کو کچھ کم خیال کیا۔ پھر کہنے لگے: ہمیں نبیٔ کریم ﷺ سے کیا نسبت؟ آپ ﷺ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا: میں تو اب ہمیشہ رات بھر نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں تو ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا اور کبھی بھی نہیں چھوڑوں گا۔ تیسرے نے کہا: میں تو کبھی شادی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا تو آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے ایسی ایسی بات کہی ہے؟ خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی نگہداشت کرنے والا ہوں۔ مگر میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں اور رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

”وَأَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ“.

”میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جو میری سنت سے اِعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے“۔ (بخاری)

(۲) ”جو شخص نکاح کرنے کی طاقت ہونے کے باوجود نکاح نہ کرے، وہ مجھ سے نہیں ہے۔“(یعنی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں)۔ (مجمع الزوائد، ج:۴، ص:۳۲۷)

(۳) ”جو میری فطرت سے محبّت رکھتا ہے، وہ میری سنّت پر عمل کرے اور میری سنّت میں سے نکاح بھی ہے“۔ (ایضا)

(۴) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عکّاف رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عکّاف! کیا تیری بیوی ہے؟ انھوں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اور تو مال والا، وسعت والا ہے؟ عرض کیا: ہاں! میں مال اور وسعت والا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس حالت

میں تو شیطان کے بھائیوں میں سے ہے، اگر تو نصاریٰ میں سے ہوتا تو ان کا راہب ہوتا۔ بلاشبہ نکاح کرنا ہمارا طریقہ ہے، تم میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو بے نکاح ہیں اور مرنے والوں میں سب سے بدتر وہ ہیں جو بے نکاح ہیں، کیا تم شیطان سے لگاؤ رکھتے ہو؟ شیطان کے پاس عورتوں سے زیادہ کوئی ہتھیار نہیں، جو صالحین کے لیے کارگر ہو۔ مگر جو لوگ نکاح کیے ہوئے ہیں، یہ لوگ بالکل پاک ہیں اور فحش سے بری ہیں اور فرمایا: اے عکاف! تیرا برا ہو، نکاح کر لے، ورنہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگا۔ (ایضا)

بے نکاح مرد اور عورت محتاج و مسکین ہیں: ابن ابی نجیح رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: مسکین ہے، مسکین ہے وہ مرد جس کی بیوی نہ ہو۔ لوگوں نے عرض کیا: اگرچہ وہ بہت مال والا ہو تب بھی وہ مسکین ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اگرچہ وہ بہت مال والا ہو، پھر فرمایا: مسکین ہے، مسکین ہے وہ عورت جس کا خاوند نہ ہو، لوگوں نے عرض کیا: اگرچہ بہت مالدار ہو تب بھی وہ مسکین ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اگرچہ مال والی ہو"۔ (معجم طبرانی اوسط)

نکاح کرنے سے دین اور دنیا کے بہت سے کام درست ہوجاتے ہیں اور مال کا جو مقصودِ اصلی ہے، یعنی راحت اور بے فکری، وہ اس مرد کو نصیب نہیں ہوتی، جس کی بیوی نہ ہو اور اس عورت کو بھی یہ راحت و آرام نصیب نہیں ہوتا، جس کا خاوند نہ ہو۔ اس لیے مال ہونے کے باوجود شادی نہ کرنے والے مرد و عورت کو اس حدیث میں مسکین کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے خوب پاکیزہ حالت میں ملنے کا عمل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا: جو آدمی پاکی بلکہ خوب پاکیزہ حالت میں اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہے تو اسے آزاد عورتوں سے نکاح کرنا چاہیے۔ (ابن ماجہ:۱۸۶۲)

طویل ترین صحبتِ صالح کے حصول کا عمل: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا ساری کی ساری برتنے کا سامان ہے اور بہترین برتنے کا سامان نیک عورت ہے۔ (مسلم:۱۴۶۷)

اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال کرنے والا عمل: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین آدمی کی مدد اللہ کے ذمے ہے: (۱) مکاتب جو بدلِ کتابت کو ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، (۲) وہ نکاح کرنے والا جو پاک دامنی کا ارادہ رکھتا ہو اور (۳) اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا۔ (نسائی:۳۲۱۸)

ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: جس شخص کے یہاں اولاد پیدا ہو

تو اس کو چاہیے کہ اس کا نام اچھا رکھے، اس کو ادب سکھائے، پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے، لیکن اگر وہ لڑکی یا لڑکا بالغ ہو گیا اور اس کا نکاح نہیں کیا اور وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہو گا۔

آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: کہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی لڑکی کی عمر بارہ سال کی ہوگئی اور اس نے لڑکی کا نکاح نہیں کیا، پھر اس لڑکی سے بدکاری ہوگئی تو اس کا گناہ لڑکی کے باپ پر ہے۔ (بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکاۃ)

امورِ خانہ کی انجام دہی کے لیے نکاح کرنا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے مجھ سے پوچھا؟ آپ نے نکاح کرلیا؟ (حضرت جابر رضی اللہ عنہ جوان تھے نکاح کی عمر کو پہنچ گئے تھے) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں نکاح کرلیا ہے۔

آپ ﷺ نے پوچھا: کنواری سے یا شوہر دیدہ سے؟

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شوہر دیدہ سے اے اللہ کے رسول!

آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں کنواری سے نہیں؟ آپ اس کے ساتھ کھیلتے وہ آپ کے ساتھ کھیلتی آپ اس کو ہنساتے وہ آپ کو ہنساتی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے والد عبد اللہ وفات پا گئے اور انھوں نے سات یا نو (راوی کو شک ہوگیا) لڑکیاں چھوڑیں، میں نے ناپسند کیا کہ ان جیسی ہی کسی کو لے آؤں۔ میں نے چاہا کہ ان لڑکیوں کے پاس ایسی عورت لاؤں جو ان کی نگرانی کرے اور ان کے امور کی انجام دہی کرے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو برکت دے یا کوئی خیر کی بات کہی۔

[السنن الکبری للبیہقی: ۷/ ۱۳۴]

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کوئی شخص گھریلو کام کاج کے لیے اپنے بوڑھے والدین یا بچوں یا چھوٹے بھائی بہن کی خدمت کے لیے نکاح کرسکتا ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کو اپنے نکاح کی اطلاع نہ دی جائے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے؛ لہٰذا یہ چیز آپسی ناراضگی کا سبب نہیں بنی چاہیے۔

اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ باکرہ سے نکاح کرنا بہتر ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: اے اللہ کے رسول! بھلا بتاؤ، اگر آپ کسی وادی میں اترے، اس میں ایسا بھی درخت ہے جس سے کھایا گیا ہو اور ایسا بھی درخت ہے جس سے کسی نے نہیں کھایا تو کونسے درخت میں آپ (مویشی) چرانا پسند کروگے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس درخت سے کسی نے نہ کھایا ہو، تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: وہ تو میں ہوں۔ (آپ کی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی کنواری بیوی نہیں تھیں۔) [السنن الکبری للبیہقی ۷/ ۱۳۴]

پانچویں پارے کی ابتدائی آیتوں کا جائزہ

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ. (سورۂ نساء: ۲۵)

یہ اس شخص کے لیے جو تم میں سے زنا کا اندیشہ رکھتا ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہے! وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے کسی طرح زنا جیسی مہلک چیز میں مبتلا نہ ہوں۔ بلکہ شادی شدہ پاکدامنی والی عشرت ان کو میسر ہو۔ اولیاء کو بھی ایک دوسری آیت میں کہا گیا کہ بے نکاحوں کا نکاح کرادیں اور اگر وہ تنگ دست ہیں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو مالدار کردیں گے اور اللہ وسعت والے ہیں اور سب کچھ جانتے ہیں۔

پھر نکاح کو آسان تر بنا دیا اور نفقہ سکنی کے علاوہ صرف ایک ہی چیز لازم قرار دی "مہر" تا کہ نکاح پائیدار ہو۔ بشرط یہ کہ تم (انھیں) اپنے مال کے ذریعہ نکاح میں لاتے ہوئے حاصل کرو ہاں اگر بعد نکاح کے عورت یہ بھی معاف کرنا چاہے تو کرسکتی ہے۔

(اسی آسانی کے پیش نظر احناف نے نکاح میں ولی کی اجازت کو ضروری قرار نہیں دیا اور کہا کہ عبارت النساء سے بھی نکاح منعقد ہو جائے گا۔)

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص نفقہ سکنی جیسے ضروری اخراجات سے بھی تہی دست ہوتا ہے۔ عام طور پر معاشرے میں ایسے لوگوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا جاتا ہے وہ جائز ناجائز طریقے سے اپنی خواہش پوری کرتا ہے۔

رب کریم نے ان لوگوں کے لیے فرمایا کہ "پاکدامنی کی نیت سے مومن باندیوں سے نکاح کرلو" (کیوں کہ آزاد عورتوں کی طرح ان کے حقوق نہیں ہوتے ہیں، اس کا آقا اس کے اخراجات کا ذمہ دار ہوگا اور ناکح اپنی ضرورت جائز طریقہ سے پوری کرے گا) اور کوئی باندی کو عقد نکاح

میں لانے سے عار محسوس کرسکتا ہے تو انسیت کے لیے فرمایا ”تم آپس میں ایک ہی تو ہو۔“

اس سے جو اولاد ہوگی وہ بھی غلام ہوگی اور اس کا مالک ماں کا آقا ہوگا کیوں کہ حریت اور عبدیت میں بچہ ماں کے تابع ہوتا ہے۔ اس لیے کسی باندی سے نکاح کرنا بہتر نہیں تھا لیکن رب کریم نے غریب بندے کی ضرورت اور حاجت کو دیکھتے ہوئے یہ حکم دیا اور فرمایا: ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ. (سورۂ نساء: ۲۵)(یہ اس شخص کے لیے جو تم میں سے زنا کا اندیشہ رکھتا ہو) اس سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زنا سے بچنے اور نکاح کرنے کی کس قدر اہمیت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کس قدر اپنے بندوں پر مہربان ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنا صفاتی نام ”رحیم“ ذکر فرمایا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو آگاہ بھی فرمایا کہ جو شہوت پرست ہیں وہ تم سے زنا چاہتے ہیں۔ (کہ نکاح کیے بغیر خفیہ یارانہ رکھ کر زنا کا عموم ہو)

چناں چہ فرمایا: اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر توجہ فرمائے (مہربانی کرے اور گناہوں کے دلدل سے نکال باہر کرے) اور جو لوگ خواہشات کے پیرو ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ تم درست راستہ سے بالکل ہی دور ہوجاؤ۔

(شہوت پرست اور بندگانِ ہوس اخلاق اور قانون کے دائرہ میں رہنا نہیں چاہتے؛ بلکہ چاہتے ہیں کہ انسان تمام حدوں کو توڑ کر آزاد ہوجائے۔)

قرنِ اوّل میں ایک دوسرے کو نکاح کی ترغیب وفہمائش اور پیشکش کرنا

حضرت نبی کریم ﷺ نے نکاح کو "اپنا طریقہ" بتایا ہے، اور نکاح کرنے اور تکثیرِ اولاد کی ترغیب دی ہے، اور تبتُّل و رہبانیت کی کمر توڑی ہے، ظاہر ہے جس چیز کو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کے درمیان رواج دینا چاہا ہو اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو اپنا کر حرزِ جان نہ بنایا ہو، ایسا نہیں ہوسکتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب ان کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوگئیں تو آپ نے اپنی بیٹی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر پیش کیا کہ اگر آپ چاہیں تو اپنی بیٹی کا نکاح آپ سے کرادوں؟ (صحیح بخاری)

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: وَفِيْهِ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِعَرْضِهَا عَلَيْهِ، وَلَوْ كَانَ مُتَزَوِّجًا، لِأَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَانَ حِينَئِذٍ مُتَزَوِّجًا. یعنی اس میں بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ کوئی اپنی بہن بیٹی کو کسی ایسے کے سامنے بغرض نکاح پیش کرے جو پہلے ہی سے بیوی والا ہو۔ کیوں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس وقت بیوی والے تھے۔

حضرت علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں منیٰ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت خلیفہ تھے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: کیا آپ کو اس میں رغبت ہے کہ میں کسی نوجوان کنواری لڑکی سے آپ کا نکاح کرادوں؟ وہ لڑکی یاد دلادے گی آپ کے گزرے ہوئے دن۔ (بخاری و ابن ماجہ)

علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یعنی جوانی کے دنوں کی جو آپ کی قوت وشہوت ہے وہ یاد دلادے گی، اس لیے کہ نوجواں کنواری لڑکی سے ملنے سے قوت لوٹ آتی ہے۔ (حاشیہ سندھی)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی خلیفہ، قاضی یا ذمہ دار سرپرست اپنے ماتحتوں میں سے کسی کو پراگندہ حال، محتاجِ زناں دیکھے اور یہ دیکھے کہ اس کی حالت سنوارنے والی، اس کے کپڑے دھو کر استری کرنے والی، اس کو گناہ سے بچا کر حلال نسبت عطا کرنے والی کسی عورت کی ضرورت ہے تو وہ اس کی اس ضرورت کو محسوس کرکے حاجت براری کرے۔

ہمارے بزرگوں میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: لَنْ يُصْلِحَ آخِرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهِ أَوَّلُهَا. یعنی اس اُمّت کے بعد میں آنے والوں کی اصلاح اسی چیز اور ان ہی باتوں کو اختیار کرنے کی وجہ سے ہوگی جن کو اختیار کرکے اس اُمّت کے اگلے لوگ [صحابہ و

تابعین] کامیاب ہوئے۔

یہ جامع بات تمام چیزوں کو عام ہے، نکاح کے باب میں جو بگاڑ پیدا ہوا ہے اس کی بھی اصلاح اگلوں کے طور طریق کو اختیار کرنے ہی سے ہوگی۔

قرنِ اوّل میں ایسی مثالیں بھی ہیں کہ ایک بیوی اپنے شوہر کو کسی خاتون سے نکاح کرنے کے لیے کہتی ہے۔ اپنی سوتن لانے کی درخواست کرنا جگر گردے کی بات ہے؛ لیکن انھوں نے اپنے عمل سے اس کام کے جواز کو قیامت تک کے لیے ثابت کر دیا۔

حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ: آپ میری بہن عَزَّہ سے نکاح کر لیجیے"۔ تو آپ نے فرمایا: کیا آپ اس کو پسند کرتی ہو؟ کہا: ہاں اے اللہ کے رسول! آپ میرے لیے تنہا تھوڑے ہیں اور میرے ساتھ کسی خیر میں کوئی مشارکت کرے میری بہن سے زیادہ کوئی اس کا حقدار نہیں ہے لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہتے ہوئے منع فرمادیا کہ یہ میرے لیے جائز نہیں ہے (یعنی دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا)۔

(سننِ ابن ماجہ: کتاب النکاح)

نکاح کا رواج اور ایک دوسرے کو نکاح کی پیشکش کرنا اتنا عام تھا کہ چھوٹے بھی بڑوں کو کہہ دیا کرتے تھے کہ آپ کو فلاں لڑکی میں رغبت ہے تو نکاح کرلیں، سنا ہے کہ وہ خوب صورت ترین لڑکی ہے۔

بسا اوقات ہمیں یہ واقعات پڑھ کر تعجب ہوتا ہے۔ جس طرح ہمارے معاشرہ میں لڑکے کا لڑکی کو یا لڑکی کا لڑکے کو پرپوز (اظہارِ پیار کی اور شادی کی پیشکش) ایک عام بات ہے۔ غیروں ہی میں نہیں مسلمانوں میں بھی اس کا چلن ہے اور عام معمول ہے، آئے دن پیار کے پرپوزل پیش کیے جاتے ہیں اور رنگ رلیاں منائی جاتی ہیں- وہاں یہ کام جتنا آسان ہے اتنا ہی غیر معیوب بھی ہے لیکن اسلام تو بے حیائی کا سدِّباب کرکے نکاح کو عام کرنے کے لیے آیا ہے۔ اس نے نکاح کو اتنا آسان اور غیر معیوب بنا دیا تھا کہ لوگ بے باکی سے اس کا اظہار کرتے اور نکاح کی پیشکش کرتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام آپ لوگوں کو معلوم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی آپ کے نکاح میں ہونے کی وجہ سے "مذی" کا مسئلہ معلوم کرنے میں شرمارہے تھے۔ یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

حضورِ اکرم ﷺ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے نکاح پر آمادہ کرتے ہوئے فرمایا: "فَإِنَّهَا أَحْسَنُ فَتَاةٍ فِي قُرَيْشٍ." یعنی: وہ قریش کی سب سے حسین لڑکی ہے۔ [طبرانی کبیر:۲۸۴۹]

افضل ترین سفارش

عَنْ أَبِي رُهْمٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: "مِنْ أَفْضَلِ الشَّفَاعَةِ أَنْ يُشَفَّعَ بَيْنَ الْإِثْنَيْنِ فِي النِّكَاحِ". (سنن ابن ماجۃ)

ترجمہ: افضل ترین سفارش یہ ہے کہ دو لوگوں کے درمیان نکاح کی سفارش کرے۔

عربی میں سفارش کو "شفاعت" کہتے ہیں اور شفاعت کا معنی جفت، جس کا مقابل ہوتا ہے طاق، یعنی ایک آدمی تنہا ہے وہ (طالبِ شفاعت) شافع (سفارشی) کو یا اس کی وجاہت کو اپنے ساتھ ملا کر جفت بنتا ہے اور اپنی تنہائی و وحشت دور کرتا ہے اور مضبوطی حاصل کرتا ہے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لڑکے کے دل میں لڑکی کی یا لڑکی کے دل میں لڑکے کی محبت پک رہی ہوتی ہے لیکن تال میل نہیں ہو پاتا ہے۔ شریف لڑکے اور لڑکی اظہار محبت میں جھجکتے ہیں۔ حیاء اور غیر جنس سے عدم تکلف اس میں مانع ہوتا ہے اور "اس محبت کو پروان چڑھانے میں مثل نکاح کے کوئی دوسری چیز نہیں ہے"۔ (سنن ابن ماجہ)

تو اگر کوئی اللہ کا بندہ لوجہ اللہ ان دونوں کے درمیان نکاح کا سفارشی بن جائے اور دونوں کے گھر والوں کی میٹنگ کرادے تو یہ اس حدیث کا مصداق ہوگا۔

لڑکا اور لڑکی کے درمیان سفارش کرا کے ان کو میاں بیوی بنا دینا جتنا اچھا کام ہے، میاں بیوی کے درمیان منافرت ڈال کر ان کو جدا کرا دینا یا جدائی کا سبب بننا اتنا ہی قبیح اور برا کام ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَأَةً عَلَى زَوْجِهَا. (سنن أبي داود)

ترجمہ: وہ شخص ہم میں سے نہیں جو میاں بیوی کے درمیان فساد ڈالے۔

بنو اسرائیل ہاروت ماروت کے زمین پر اترنے کے زمانے میں جادو کی کئی طرح کی خرمستیاں کرتے تھے لیکن قرآن کریم نے جس کو ہائی لائٹ کیا وہ ہے:

﴿فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ﴾ [البقرۃ:۱۰۲]

ترجمہ: یہ لوگ ان دونوں سے ایسا جادو سیکھتے تھے، جس کے ذریعہ شوہر اور اس کی بیوی

کے درمیان جدائی پیدا کردیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: شیطان کو شوہر و بیوی کے درمیان تفریق بہت محبوب ہے۔ اس لیے کہ معاشرہ کا استحکام اور اس کا صحیح خطوط پر قائم رہنا اور چلنا ازدواجی زندگی کے استحکام پر مبنی ہے۔ حدیث میں بھی آیا ہے کہ شیطان اپنے اُن کارندوں سے بہت خوش ہوتا ہے جو میاں بیوی میں تفریق کرادیں۔ (مسلم:۲۱۰۶) اس لیے خاص طور پر اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ (آسان تفسیر)

قرنِ اوّل میں طلاق یافتہ اور بیوگان کی از خود نکاح کی طرف پیش قدمی

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بڑی آسان زندگی گزارتے تھے۔ ان کی زندگی بناوٹ اور تکلف سے پاک تھی۔ ''وَأَقَلُّهَا تَكَلُّفًا'' (مشکاۃ) صحابہ میں خواتین کا بھی یہی حال تھا۔ حتی کہ نکاح جیسے معاملہ میں بھی بہت سی صحابیات رضوان اللہ تعالیٰ علیھن اجمعین از خود پیش قدمی کیا کرتی تھیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب قائم کیا کہ: ''عورت کا بذات خود نیک آدمی کے سامنے اپنی ذات کو پیش کرنا۔''

چوں کہ عورت کا خود کو مرد کے سامنے پیش کرنا بے حیائی سمجھا جا سکتا ہے اس لیے یہ باب لائے کہ اگر مرد کوئی نیک بندہ ہے اور عورت خود کو پیش کرے تو یہ بھی درست ہے۔ اس میں بے حیائی کی کوئی بات نہیں اور باب میں دو روایتیں ہیں۔ پہلی روایت میں ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک عورت نے اپنی ذات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی، اس پر ان کی صاحبزادی امینہ نے اس کو بے حیائی قرار دیتے ہوئے کہا: ما أقل حياءها. وہ کس قدر بے حیا تھی ہائے بری بات! ہائے بری بات!

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس پر رد کیا اور فرمایا: وہ عورت تجھ سے بہتر تھی، اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں رغبت کی اور دوسری روایت میں یہ واقعہ ہے کہ ایک عورت نے اپنی ذات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا، پھر اس کا نکاح ایک صحابی سے کر دیا۔
(۵۱۲۰، ۵۱۲۱)

اگر ایک عورت اپنی بیٹی کا رشتۂ نکاح کسی نیک مرد کے سامنے پیش کرے، قرنِ اوّل میں یہ بھی برا نہیں سمجھا جاتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک خاتون حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور اپنی بیٹی کے اوصاف اور حسن و جمال کو ذکر کرنے کے بعد کہا کہ میں اسے آپ کے نکاح میں دینا چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اسے قبول کیا ہے۔ وہ خاتون مسلسل اپنی بیٹی کی خوبیوں کو بیان کرتی رہیں یہاں تک کہ اس نے کہا: نہ تو کبھی اس کے سر میں درد ہوا ہے اور نہ کبھی وہ بیمار ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا: ''لَا حَاجَةَ لِي فِي ابْنَتِكَ''. یعنی ''مجھے آپ کی بیٹی میں دلچسپی نہیں ہے''۔ (مسند احمد: ۱۲۶۰۸)

ہمارے معاشرے میں اگر کوئی بیوہ عورت بیوی بننا چاہے تو اسے ایسی ایسی باتوں کا سامنا ہوتا ہے کہ جو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ کوئی عورت کہتی ہے کہ ”پہلے شوہر کو بہت جلد بھول گئی“ کوئی کہتی ہے ”ڈائن پہلی کو تو کھا گئی اب دوسرے کو کھانے چلی“ کوئی کہتا ہے ”اب اس کو اپنے بچوں پر توجہ دینا چاہیے“ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔

اگر نکاح کرلے تو سب رشتہ دار اس کی ذمہ داریوں سے ہاتھ اٹھا لیتے ہیں۔ اگر نکاح کی خواہش کسی کے سامنے نہ رکھے تو اس کے جذبات وخواہشات کا اس ناہنجار معاشرہ کو کچھ احساس نہیں ہوتا۔ اس کی پراگندگی کا اور دلی کیفیات کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ وہ اپنے بہت سے کاموں میں اپنے ”مشغول ترین“ بھائی پر مدار کی ہوئی ہوتی ہے اور بہت سی باتیں جو وہ ایک شوہر ہی سے کرسکتی ہے اپنے دانتوں کے درمیان میں دبائے گھٹ گھٹ کر زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہے بلکہ مجبور کی جاتی ہے۔

اور اگر کوئی طلاق یافتہ نکاح کرنا چاہے تو گھرانے کی بڑی عورتیں ہی کہنا شروع کر دیتی ہیں کہ ”ایک کو تو نبھا نہ سکی چلی دوسری کرنے“، ”اس نکمی ہی میں کوئی کمی ہوگی جو چھوڑ دی گئی بھلا اب اسے کون بیاہ لے جائے گا، اب تو اسے سلائی سیکھ کر اپنی ماں ہی کا ساتھ دینا چاہیے۔“ وہ بے چاری کچھ وقت کے لیے کیا رخصت کر کے بھیج دی جاتی ہے اس کا اپنا گھر پرایا ہوجاتا ہے۔

اگر ہم قرنِ اوّل کا معاشرہ دیکھیں تو ہمیں اس کا الٹ نظر آتا ہے۔ صحابیات رضی اللہ عنہن خود اپنے کو نکاح ثانی کے لیے پیش کیا کرتی تھیں اور ثانیہ، ثالثہ بننے میں عار محسوس نہ کرتیں۔ مرد حضرات بھی ان میں کافی وافی شوق دکھلایا کرتے تھے۔ حضرت فاطمہ بنت قیس جب اپنی عدتِ طلاق سے فارغ ہوئی ہی تھیں کہ تین صحابہ کا انھیں جھٹ پیغامِ نکاح آ گیا۔ (مسلم:۱۴۸۰)

یہاں تک کہ قرآن کریم میں روک دیا اس بات سے کہ عدت میں پیامِ نکاح، زنانِ معتدہ کو نہ دیں۔ ہاں اشارۃً کہہ سکتے ہیں۔ ارشادِ باری ہے: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ڛ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ﴾ [البقرۃ:۲۳۵]

ترجمہ: ”نیز (اُن) عورتوں کو پیامِ نکاح کے متعلق اشارۃً کوئی بات کہنے یا اپنے دلوں

میں چھپائے رکھنے میں تم پر گناہ نہیں، اللہ جانتے ہیں کہ تم ان کا ذکر ضرور کرو گے لیکن ان سے خفیہ عہد و قرار نہ کرلینا، ہاں! بھلی بات کہہ سکتے ہو اور جب تک مقررہ عدت نہ گزر جائے، نکاح کرنے کا پختہ ارادہ نہ کرلو۔“

خود حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی ایک زوجہ محترمہ کے علاوہ باقی ازواج مطہرات غیر کنواری تھیں۔

قرنِ اوّل میں بیوائیں بھی اپنے آپ کو اگلے نکاح کے لیے تیار کیا کرتی تھیں اور اس سلسلے میں کوئی روک ٹوک کرتا تو خود حضرت نبیٔ کریم ﷺ سے بات صاف کرکے آگے بڑھ جایا کرتی تھیں۔

سنن کی روایت میں ہے کہ حضرت سُبَیْعَہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت سعد بن خولی رضی اللہ عنہ کا فتحِ مکہ میں یا حجۃ الوداع میں مکہ مکرمہ میں انتقال ہوا۔ اس وقت حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں۔ ۲۳/یا ۲۵/دن کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ جب ان کا نفاس بند ہوا تو انھوں نے نکاح کی تیاری شروع کی یعنی سوگ ختم کر دیا اور بن سنور کر اچھے کپڑوں میں رہنے لگیں تا کہ لوگ متوجہ ہوں۔ ابو السنابل نے جو انہی کے خاندان کے تھے اعتراض کیا تو حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا ازواجِ مطہرات کے پاس گئیں اور مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا: وہ نکاح کرسکتی ہیں ان کی عدت پوری ہوگئی۔ (سنن الترمذی: ۱۱۷۸)
اب کوئی مسئلہ نہیں نہ شرعاً نہ عرفاً۔

بڑی عمر میں نکاح

کسی وقت ایک ساتھی نے پوچھا تھا کہ: ”بڑی عمر میں نکاح کرنا“ اس پر کسی کے پاس کوئی تحریر ہو تو بھیجیں، باوجود چاہت کے میں لکھ نہیں سکا، آج عصر بعد استاذ محترم حضرت مفتی یوسف صاحب ایلولوی دامت برکاتہم (استاذِ حدیث وفقہ دار العلوم کنتھاریہ) کی مجلس سے یہ شدید داعیہ پیدا ہوا کہ اس سلسلے میں کچھ لکھا جائے۔

دراصل ہمارے ایک شعبۂ افتاء کے ساتھی اپنی پہلی بیوی سے علیحدگی کے بعد دوسرا نکاح کرنا ہی نہیں چاہتے ہیں، ان کی کچھ تلخ یادیں ہیں جس نے ان کی ذہنیت کو شدید متاثر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے دل ہی میں نکاح کا ارادہ نہیں ہوتا، ڈرتا ہوں کہ کہیں اس کا انجام بھی پہلے نکاح جیسا نہ ہو جائے۔

ان کا پہلے نکاح سے دس سالہ ساتھ تھا، ان کی ایک معصوم بچی بھی ہے، ان کی چاہت یہ ہے کہ اگر بچی کی ماں آتی ہے تو میں اسی سے نکاح کروں گا؛ ورنہ میرا کوئی ارادہ نہیں، حالتِ تجرُّد میں چار سال گنوا چکے ہیں۔

استاذِ محترم مفتی یوسف صاحب ان کو برابر سمجھاتے رہے اور سمجھاتے ہوئے انھیں نے ایک جیتی جاگتی مثال سے سمجھایا کہ میرے ایک قریبی تھے، ان کی بیوی کا ایک بچی چھوڑ کر انتقال ہوگیا، وہ بھی اگلا نکاح کرنے سے صاف انکار کرتے، گھر میں کوئی اس بابت بات بھی کرتا تو منع کر دیتے کہ اس عنوان پر بات مت کرو، اس سے جو مجھے محبت لگاؤ اور اُنسیت تھی، میں اس کی جگہ پر کسی اور کو سوچ بھی نہیں سکتا۔

مفتی ایلولوی صاحب نے فرمایا کہ: اگر تو میرا مان (پاس ولحاظ) رکھتا ہے تو میری بات سن اور فون مت رکھنا، تجھے ضرور نکاح کرنا ہے اور ایسی عورت سے نکاح کر کہ طلاق یا وفات کے بعد اس کی اولاد شوہر کے گھر رہ گئی ہو۔ اتفاق سے اس کو ایسا رشتہ میسر بھی آ گیا؛ لہٰذا اس نے اس مرد کی بچی کو اپنی بچی کی طرح پرورش کی اور سات سال تک اس بچی کو علم ہی نہ ہوسکا کہ اس کی حقیقی ماں کوئی اور ہے۔ بعد میں وہ صاحب میرے شکر گزار رہے۔

مفتی صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ پہلے شوہر یا بیوی سے مودت واُنسیت تو ہوتی ہے؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے بعد دوسرا نکاح نہ کیا جائے۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی کیفیت ہمیں معلوم ہے۔

مفتی صاحب نے یہ بھی کہا کہ جب حضرت مفتی اسماعیل صاحب بھڑکودروی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوا تو وہ کہتے تھے کہ: ”اس عمر میں مجھے بیوی کا تقاضا تو نہیں ہے؛ لیکن میں رات کا توحُّش دور کرنے کے لیے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔“

بندے نے کہا: مفتی صاحب یہ تو آپ نے بڑی قیمتی باتیں بتائی ہیں۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ پہلی بیوی کے بعد میں ایک رات بھی بغیر بیوی کے گزارنا پسند نہیں کروں گا۔

(یہ ہمارے بزرگوں کا اعتدال ہے، وہ محبت میں بھی اعتدال کرتے ہیں محبت میں ”سیارہ“ نہیں بنتے۔)

کیا حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد نکاح نہیں فرمایا، کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بعد دوسرا نکاح نہیں کیا۔ کیا ان حضرات کو اپنی بیویوں سے محبت نہیں تھی؟ کیا کسی نے محبت میں دیوانہ ہو کر اپنی دوکان کا نام سکینہ، میڈیکل کا نام شفا، ہوٹل کا نام فرحانہ رکھا؟ شریعت جذبات کے تحت مغلوب ہو کر تو نہیں چلتی اب وہ یا تو شریعت نفاذ بنتے یا محبت میں سودائی۔

بات در حقیقت یہ ہے کہ جس طرح محبت کی کوئی عمر نہیں اسی طرح شادی کی کوئی عمر نہیں، ان میں بڑی عمر میں شادی کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ عام بات سمجھی جاتی تھی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بڑی عمر میں ایک دوشیزہ کو پیغام نکاح دیا۔حضرت عثمان نے اپنے زمانۂ خلافت میں جب دیکھا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (جو اب عمر دراز ہو گئے تھے) کو کسی نوعمر دوشیزہ سے شادی کی ضرورت ہے تو ان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کا کسی ایسی لڑکی سے نکاح کرادیں جو آپ کو ماضی کی باتیں یاد دلادے؛ لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نکاح کرنے کی ہامی نہیں بھری۔

خود حضرت نبی کریم ﷺ اس باب میں بھی ہمارے لیے نمونہ ہیں، آپ ﷺ نے اکثر نکاح بڑی عمر میں فرمایا۔

میں نے اس مجلس میں کہا کہ: مفتی صاحب! آج کل تو خواتین بڑی عمر کے مرد کو ہی پسند کرتی ہیں؛ کیوں کہ ان کے پاس بیویوں کو خوش رکھنے کا تجربہ ہوتا ہے اور پہلی بیوی اس کی کافی حد تک اصلاح کر چکی ہوتی ہے۔

میں نے کہا: ہمارے ایک دوست تھے جن کی والدہ کا انتقال جلد ہوگیا، تو حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم نے ان لوگوں کو مشورہ دیا کہ اپنے والد کا نکاح کرادو؛ لیکن انھوں نے نہیں کرایا یا کسی دباؤ میں نہیں کراسکے، اس کے بعد وہ (والد) ۱۵/سال کے قریب صاحب فراش رہے اور وہ ایسی خدمت کے ضرورت مند رہے جو ایک بیوی ہی بخوبی ادا کرسکتی ہے۔

ہمارے ایک دوسرے ساتھی ہیں ان کی والدہ کا انتقال ہوا جب کہ ان کے والد بڑھاپے میں پیر پسار چکے تھے اور ایسی بیماری میں مبتلا تھے کہ کھڑے ہوتے تھے تو پیچھے کو جاتے تھے۔

حضرت نے ان کو بھی مشورہ دیا کہ والد کا دوسرا نکاح کرادیں۔ انھوں نے اس پر عمل کیا؛ لیکن وہ نکاح ناکام ثابت ہوا، انھوں نے ہمت نہیں ہاری تیسرا نکاح بھی کرایا اور اب نبھاؤ ہے۔

”اسلام نے نکاح اور اس کے فضائل و اہمیت کو صرف جوانی یا ابتدائی عمر تک محدود نہیں کیا، بلکہ ہر عمر میں اس کی ترغیب دی ہے۔ نکاح انسان کی فطری ضرورت ہے، چاہے وہ جوان ہو یا ادھیڑ عمر، یہاں تک کہ بڑھاپے میں بھی۔ نکاح کے ذریعے انسان پاکدامنی، سکونِ قلب اور سماجی استقامت حاصل کرتا ہے۔“

بڑی عمر میں نکاح نہ صرف جائز ہے؛ بلکہ باعثِ برکت اور سنت ہے۔ یہ انسان کو تنہائی، وساوس اور فتنوں سے بچاتا ہے، ساتھ ہی گھر اور خاندان میں سکون و خوشی کا ذریعہ بنتا ہے۔ بزرگوں کے اقوال اور کردار اس بات کے گواہ ہیں کہ نکاح کا رشتہ عمر کی قید سے آزاد ہے۔

فتاوی میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ :واضح رہے کہ نکاح کے معاملہ میں شرعاً عمر کی کوئی تحدید نہیں،عمر کے جس حصے میں بھی آدمی نکاح کرنا چاہے تو کرسکتا ہےبشرط یہ کہ بیوی کے حقوق(مہر،نان ونفقہ،جنسی ضرورت وغیرہ) ادا کرسکتا ہو،البتہ اگر کوئی مرد بڑھاپے کی وجہ سے بیوی کی جنسی ضرورت کو پورا کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کے لیے جوان عورت سے شادی کرنا درست نہیں کہ نکاح کے من جملہ مقاصد میں سے جنسی خواہش کی تکمیل بھی ہے،اور جنسی خواہش کے پورا نہ ہونے کی صورت میں عورت کے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ چناں چہ ایسا شخص اگر نکاح کرنا چاہتا ہو(کہ خدمت وغیرہ کی ضرورت ہو) تو ایسی عورت سے نکاح کرے جو عمر رسیدہ ہو اور اس میں جنسی رغبت نہ ہونے کے برابر ہو۔

لڑکی سے اس کے نکاح کے بارے میں اجازت طلب کرنا

صحیح حدیثوں میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”عورت اپنی ذات کی زیادہ حقدار ہے اس کے ولی کے مقابلے میں“۔ آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: ”کنواری لڑکی سے اس کے نکاح کے بارے میں اجازت طلب کی جائے گی۔ لوگوں نے پوچھا کہ: اس کی اجازت کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا خاموش رہنا اور اگر بیوہ یا مطلقہ ہے تو اس سے اس کے نکاح کے بارے میں صاف صراحتاً اجازت طلب کی جائے گی“۔ (مشکاۃ)

حضرت نبی کریم ﷺ نے ایسے نکاح کو ختم کروادیا تھا جس میں لڑکی کی اجازت کے بغیر

اور پسندیدگی کے بغیر کسی جگہ اس کا نکاح کروا دیا گیا تھا“۔ (مشکاۃ)

البتہ یہ بھی ضروری ہے کہ لڑکی از خود نکاح نہ کرے۔ بلکہ ولی کی اجازت اور رضامندی کے ساتھ نکاح کرے۔حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: نکاح ولی کے بغیر نہیں ہوتا ہے یعنی ایسے نکاح میں پائیداری، برکت اور عزت نہیں ہوتی ہے۔ اگرچہ ولی کی اجازت کے بغیر کفو میں نکاح کرنے سے نکاح درست ہو جائے گا اور وہ میاں بیوی بن جائیں گے۔

ہمارے یہاں بعض معاشرے میں لڑکی کو اس کے نکاح کے بارے میں کچھ بولنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔

ہماری گنگا ہی اُلٹی بہتی ہے، ہماری بچیاں گھر سے باہر نکل ٹرینوں اور بس کا سفر کرتی ہیں، اپنی ہر طرح کی اشیا بذاتِ خود دوکان دار سے خوشامدانہ انداز سے خریدتی ہیں، والدین خود ”تھینک کیو“ کہنے کی عادت ڈلواتے ہیں؛ لیکن یہی بچی اگر اپنے والدین سے اپنے نکاح کے بارے میں ابتدائے گفتگو نہ کرے؛ بلکہ دورانِ گفتگو ہی کچھ کہہ دے، تو نازیبا حرکت، بدتہذیب، آزاد منش شمار کیا جاتا ہے۔ اگرچہ شہروں میں ایسا بنسبت دیہات کے کم ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”میں نے ایک لڑکی کو نکاح کا پیغام بھیجا اور اس کا تذکرہ حضرت نبی کریم ﷺ سے کیا، آپ ﷺ نے پوچھا: مخطوبہ (جس کو نکاح کا پیغام بھیجا ہے) دیکھی ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: دیکھ لو! اس سے محبت دائم رہے گی۔ میں اس لڑکی کے پاس گیا، اس کے پاس اس کے والد تھے، وہ پردے میں تھیں۔ میں نے کہا کہ: رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں انھیں دیکھ لوں۔ لڑکی اور لڑکی کے والد دونوں خاموش رہے۔ پھر لڑکی نے پردہ سے جھانک کر کہا: اگر رسول اللہ نے آپ کو دیکھنے کا حکم کیا ہے، تو تشریف لائیے اور دیکھ لیجیے اور اگر حکم نہیں دیا ہے تو آنے کی مشقت نہ اٹھائیں۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے جاکر دیکھا پھر نکاح کرلیا۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک کوئی عورت اس جیسا مرتبہ کبھی حاصل نہیں کرسکی؛ حالاں کہ میں نے ستر عورتوں سے نکاح کیا ہے۔ (السنن الکبری للبیہقی: ۱۳۴۹۰)

آپ ہی ہیں جن کا قول مشہور ہے: صاحِب المرأةِ الوَاحِدَةِ عَلِيْلٌ، إنْ مَرِضَتْ مَرِضَ مَعَهَا وإنْ حَاضَتْ حَاضَ مَعَهَا وإنْ صَامَتْ صَامَ مَعَهَا، أَمَّا صَاحِبُ

الْإِثْنَيْنِ فَهُوَ بَيْنَ جَمْرَتَيْنِ أَيَّتُهُمَا أَدْرَكَتْهُ أَحْرَقَتْهُ، وَصَاحِبُ الثَّلَاثِ يَبِيْتُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِي قَرْيَةٍ، وَصَاحِبُ الْأَرْبَعِ عَرُوْسٌ كُلَّ لَيْلَةٍ.

''ایک بیوی والا شخص بیمار ہوتا ہے، اگر وہ (عورت) بیمار ہو جائے تو وہ (شوہر) بھی اس کے ساتھ بیمار ہوتا ہے، اگر وہ حیض میں ہو تو وہ (شوہر) بھی اس کے ساتھ حیض میں ہوتا ہے، اگر وہ روزہ رکھے تو وہ (شوہر) بھی اس کے ساتھ روزہ رکھتا ہے۔ دو بیویوں والا شخص دو انگاروں کے درمیان ہوتا ہے، جس کسی انگارے سے بھی ٹکرا جائے، وہ اسے جلا دیتا ہے۔ اور تین بیویوں والا ہر رات کسی نئی بستی میں رات گزارتا ہے، جب کہ چار بیویوں والا ہر رات دولہا ہوتا ہے۔''

آپ بہت ذہین، مدبّر و بیدار مغز آدمی تھے، کہتے ہیں کہ اگر کسی شہر کے ستّر دروازے ہوں اور ہر دروازے سے کسی مشکل تدبیر اور دقیق چال ہی سے گھسا جا سکتا ہے، تو آپ وہ ہیں جو ستر دروازوں سے اپنی تدبیر اور ہنرمندی سے داخل ہو جائیں گے۔

ان کا ایک اور واقعہ پیغام نکاح ہی کے تعلق سے مشہور ہے: ایک عورت کے پاس مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور ایک عرب نوجوان نے شادی کے لیے پیغام بھیجا اور نوجوان خوبصورت اور عنفوان شباب میں تھا۔ جواب میں دونوں کے پاس اس عورت نے یہ پیغام بھیجا کہ تم دونوں نے میرے پاس رشتہ بھیجا ہے اور میں تم دونوں میں سے کسی کا رشتہ اس وقت تک منظور نہ کروں گی جب تک اس کو دیکھ نہ لوں اور اس کی گفتگو نہ سن لوں، اگر تم چاہو تو یہاں آجاؤ؛ لہٰذا دونوں پہنچ گئے۔ اس عورت نے ان کو ایسی جگہ بٹھایا جہاں سے وہ ان کو دیکھ سکے اور ان کی گفتگو بھی سن سکے۔ جب مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اس جوان کو دیکھا اور اس کے جمال اور شباب اور وضع پر نظر کی تو اس عورت کی طرف سے مایوس ہو گئے اور خیال کیا کہ وہ ان کو اس جوان پر ترجیح نہ دے گی۔ پھر اس جوان کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے کہا کہ: تم خوبصورت اور صاحبِ حسن ہو، خوب بات کرتے ہو کیا تم میں کچھ اور اوصاف بھی ہیں؟ اس نے کہا: ہاں! اور اپنے محاسن شمار کرانے کے بعد خاموش ہو گیا۔ اس سے مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہارا حساب کیسا ہے؟ اس نے کہا: حساب میں مجھ سے کبھی چوک نہیں ہو سکتی اور میں رائی کے دانہ سے بھی باریک فرق کو پکڑ لیتا ہوں۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: لیکن میرا حال تو یہ ہے کہ میں گھر کے کونہ میں تھیلی (اشرفیوں کی) رکھ دیتا ہوں، گھر والے جہاں چاہتے ہیں خرچ کرتے رہتے ہیں، مجھے خرچ کی خبر اس وقت ہوتی ہے

جب وہ دوسری تھیلی طلب کرتے ہیں۔عورت نے کہا: واللہ! یہ شیخ جو مجھ سے کسی چیز کا محاسبہ نہ کرے اس شخص سے بہتر ہے جو رائی کے دانہ سے بھی چھوٹی چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔ اس نے مغیرہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا۔ (لطائفِ علمیہ)

تحریر کا مقصد یہ ہے کہ عورت یا لڑکیاں اپنے نکاح کے بارے میں اپنی بات گھر والوں کے درمیان رکھنا چاہیں؛ تو رکھ سکتی ہے، اس میں کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح احادیث میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ نکاح کے وقت لڑکیوں سے خواہ وہ کنواری ہو یا شادی شدہ (بیوہ یا مطلقہ) اجازت لے لو،ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ایک عورت نکاح کی زیادہ حقدار ہے اس کی سرپرست کے حق میں۔

اجازت طلب نہ کرنے کا ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ شادی کے بعد جب لڑکی کو لڑکا پسند نہیں آتا ہے تو وہ یا تو پوری زندگی اِسی ناگواری کے ساتھ گزار لیتی ہے اور کبھی حیلے بہانے کرتی ہے۔

ایک قدیم روایت:

حضرت اُمِّ سُلیم رضی اللہ عنہا کے شوہر، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے والد "مالک" اسلام نہیں لائے اور حالتِ کفر میں وفات پائی۔

مدینہ منورہ میں اسلام کا گھر گھر چرچہ تھا، ایمان لوگوں کے دلوں میں اتر کر رگ و ریشہ میں پیوست ہوتا جارہا تھا، والدۂ انس، اُمِّ سلیم بھی ان ہی خوش نصیب خاتون میں سے تھیں کہ جنھوں نے آگے بڑھ کر اسلام قبول کیا جب کہ گھر کا نگراں شوہر اسلام سے دور تھا۔

مالک کے بعد حضرت اُمِّ سلیم رضی اللہ عنہا کو ابوطلحہ نے نکاح کی پیشکش کی۔ وہ ابھی تک اسلام کے حلقہ میں داخل نہیں ہوئے تھے اگر چہ اس کے گرویدہ ہوگئے تھے۔

اُمِّ سلیم رضی اللہ عنہا نے صاف کہا کہ: "میں اسلام قبول کر چکی ہوں اگر آپ کو مجھ سے نکاح کرنا ہے تو اسلام قبول کرلو (ورنہ میں نکاح نہیں کرسکتی) ابوطلحہ اسلام سے روشناس تو ہو ہی چکے تھے۔ چنانچہ وہ اسلام لے آئے اور ان دونوں کا نکاح ہوگیا"۔ (سنن النسائی)

مہاجرِ اُمِّ قیس رضی اللہ عنہا کا نام آپ نے سنا ہوگا، جن کا واقعہ حدیث: "إنّما الأعمال بالنيّات" کا شانِ ورود ہے۔ انھوں نے حضرت اُمِّ قیس رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ انھوں نے بھی صاف کہہ دیا اگر تم ہجرت کرکے آتے ہو اور اسلام قبول کرتے ہو تو میں نکاح کروں گی

ورنہ نہیں۔ (نفحات)

یہ ایک قدیم روایت تھی کہ قرنِ اوّل تا قبلِ قرنِ ماضی، مرد اگر کسی غیر مسلم سے نکاح کرتا تو اسے ضرور مسلمان کر دیتا۔ لیکن اگر عورت کسی غیر مسلم سے نکاح کرتی تو وہ بھی اسلام ہی کی شرط لگاتی تھی۔

لیکن اب حال یہ ہے کہ لڑکی اگر غیر مسلم کے ساتھ میرج کرتی ہے تو برملا بھگوا ٹیکا لگا کر ویڈیو بناتی ہے اور اگر مرد مسلم اور لڑکی ہندو ہو تو دونوں اپنے اپنے دھرم کا پالن کرتے ہیں یا کروس عبادتیں کرتے ہیں یعنی مرد بھی دونوں دھرم کا پالن کرتا ہے اور عورت بھی، ان کا سب سے بڑا مذہب عشق ہے۔ کفر اتنا سستا ہو گیا ہے کہ ہر بازار میں بکتا ہے، شعائر اسلام کی توہین و تضحیک کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ آخر اس تیزی سے کفر کے سوتے پھوٹنے کی وجہ کیا ہے؟

————

وہ اوصاف جو ایک ہونے والی بیوی میں مطلوب ہوتی ہیں قرآن وحدیث کی روشنی میں

قرآن وحدیث کی جامعیت کا کس کو انکار ہے ان میں ہمیں ان اوصاف کی طرف واضح اور صاف رہنمائی حاصل ہوتی ہے جو ایک ہم سفر بیوی میں مطلوب ہوتی ہیں۔

(۱) دین دار ہو: سنن ابنِ ماجہ میں ہے: ”مؤمن آدمی اللہ تعالیٰ کے خوف کے بعد نیک عورت سے بہتر کوئی چیز حاصل نہیں کرسکتا؛ اگر وہ اسے حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے۔ اگر اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کر دے۔ اگر اس پر کوئی قسم کھائے تو اسے بری کر دے اور اگر وہ اس سے غائب ہو تو اپنے نفس اور شوہر کے مال کے بارے میں خیر خواہی سے کام لے۔

اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ نیک بیوی کسے کہتے ہیں۔ نیک بیوی سے یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ وہ بہت زیادہ نفل روزے رکھنے والی ہو، اجتماعات میں شرکت کرنے والی ہو یا پڑھنے پڑھانے والی ہو بلکہ حکم کی بجا آوری کرنے والی، عمدہ اخلاق، خوش اطوار اور خندہ پیشانی سے شوہر کو خوش کرنے والی ہو نیز نیک کام میں معاون اور خیانت کرنے والی نہ ہو۔

اطاعت بھی اس طرح ہو کہ اطاعت کے بعد بھنوے چڑھا کر پیشانی پر شکن لاکر منہ نہ بگاڑے، بلکہ شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ اپنی حسنِ صورت اور حسین سیرت سے شوہر کو خوش کر دے، اور اگر کبھی شوہر نے قسم کھالی کہ بخدا آپ کو یہ کرنا ہے تو اس کو بار (اپنی قسم کا پورا کرنے والا) بنائے۔ (بخاری: ۵۰۹۰)

(۲) حسب نسب والی خاندانی عورت ہو: حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے۔ اس کے مال کی وجہ سے، اس کے حسب کی وجہ سے، اس کے حسن کی وجہ سے اور اس کی دین داری کی وجہ سے، آپ دین دار عورت کو (اختیار کرکے) کامیابی حاصل کریں۔ آپ کے ہاتھ خاک آلود ہوں۔

علماء فرماتے ہیں کہ ایک شریف صاحبِ نسب آدمی کو صاحبِ نسب عورت سے نکاح کرنا مستحب ہے۔ البتہ اگر نسب والی لڑکی بے دین اور دوسری دین دار ہے تو پھر دین دار کو ترجیح دینی چاہیے۔

(۳) کنواری ہو: ایک سفر میں مدینہ منورہ قریب آنے پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سواری تیز کر کے جلدی جلدی آگے بڑھنے لگے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: جابر! کیوں اتنی جلدی؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”اے اللہ کے رسول! میں نے نکاح کرلیا ہے۔ استفسار فرمایا: کنواری کو زوجیت میں لائے ہو یا ثیبہ (شوہر دیدہ) کو؟ جواب دیا: ثیبہ کو، فرمایا: کیوں کنواری سے نکاح نہیں کیا؟ کنواری سے کرتے تاکہ آپ اس کے ساتھ کھیلتے وہ تمہارے ساتھ کھیلتی/ تاکہ آپ اس کے ساتھ اٹکھیلیاں کرتے وہ آپ کے ساتھ اٹکھیلیاں کرتی/ آپ اس کو ہنساتے وہ آپ کو ہنساتی۔ (الگ الگ روایات ہیں) (بخاری: ۵۲۴۷)

کنواری سے جو خوش مزاجی ہوتی ہے وہ شوہر دیدہ سے نہیں ہوسکتی۔ اس سے جو نکاح کے فوائد حاصل ہوسکتے ہیں وہ بات غیر کنواری میں نہیں۔ اسی وجہ سے ایک حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زور دیتے ہوئے لوگوں کو مخاطب کیا تم پر باکرہ لازم ہے اس لیے کہ وہ شیریں دہن ہوتی ہیں (یعنی میٹھا بولتی ہیں/ یا منہ میں بدبو نہیں ہوتی)، وہ جلد حاملہ ہو جاتی ہیں اور وہ تھوڑے سے (نان نفقہ/ جماع) پر راضی ہو جاتی ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۱)

(اور جو شوہر دیدہ ہوتی ہے وہ ہر چیز میں پہلے والے شوہر سے تقابل کرتی رہتی ہے، وہ ایسا کرتے تھے، آپ تو ایسا نہیں کرتے وغیرہ وغیرہ)

(۴) زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی ہو: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ ایک نسب و جمال والی عورت ہے لیکن وہ بانجھ ہے، بچے جنم نہیں دے سکتی، کیا میں اس سے نکاح کرلوں؟ آپ نے اسے منع فرمایا، وہ آدمی دوسری مرتبہ آیا اور وہی سوال کیا تو آپ نے اسے منع کر دیا، وہ تیسری مرتبہ آیا تب بھی آپ نے اسے منع کر دیا اور فرمایا: ”تَزَوَّجُوْا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ؛ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ.“ یعنی: ”تم زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی خواتین سے نکاح کیا کرو کہ میں تمہاری کثرتِ تعداد پر دوسری اُمتوں پر فخر کروں گا۔“ (ابو داؤد: ۲۰۵۰)

”وَدُوْد“ یعنی بیوی ایسی ہو کہ اس سے شوہر کو بہت زیادہ محبت ہو۔ اتنی کہ وہ شوہر کے علاوہ کسی اور کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے بلکہ کسی اور کی طرف دیکھنے کو دل ہی نہ کرے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حوروں کی ایک صفت یہ بیان کی ہے کہ: وہ ”قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ“ ہوں گی۔

یعنی اپنے شوہروں کے سوا کسی کی طرف ان کی نگاہیں نہیں اٹھیں گی۔ جنت میں خدا تعالیٰ ہر ایک مرد کو ایسا حسن عطا فرمائیں گے۔ تمام حوروں کے لیے اپنے اپنے شوہر اتنے حسین کر دیے جائیں گے اور ہر ایک حسینہ کا اپنے اپنے مرد سے متعلق تاثر اتنا قوی ہوگا کہ نگاہ کسی اور طرف موڑنے کو سرے سے جی ہی نہیں چاہے گا۔ چنانچہ ایک روایت کے مطابق وہ اپنے شوہر سے کہے گی: ''مجھے اپنے رب کی عزت، عظمت اور جمال کی قسم، جنت میں تم سے زیادہ حسین چیز مجھے کوئی اور نظر نہیں آتی، شکر ہے اس رب کا جس نے تجھ کو میرا اور مجھ کو تیرا رفیق بنایا۔'' (تفسیر ابنِ جریر)

''وَلُوْد'' یعنی بہت بچے جننے والی ہونا یہ بھی ایک بڑی صفت ہے عورتوں میں اس کی اہمیت کا اندازہ مذکورہ حدیث ہی سے لگایا جاسکتا ہے۔ ہم دو ہمارے دو یا بچے دو ہی اچھے یہ اسلام کا کانسیپٹ نہیں ہے۔

(۵) امورِ خانہ داری کی اچھی دیکھ بھال کرنے والی اور بچوں پر شفیق و مہربان ہو: حضرت نبی کریم ﷺ نے جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی کرّم اللہُ وجہہُ سے کرایا تو گھر کے اندرونی کام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سپرد فرمائے اور بیرونی حضرت علی کرّم اللہُ وجہہُ کے۔

بخاری شریف میں بھی ہے کہ عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچے کی (دیکھ بھال) کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ (۵۲۰۰)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی، ایک لڑکے کو اٹھائے ہوئے تھی دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی، وہ حاملہ بھی تھی۔ اس نے جو مانگا آپ ﷺ نے عطا فرمایا، پھر فرمایا: یہ حاملائیں، جننے والیاں اپنے بچوں پر مہربان، اگر نہ لائیں یہ وہ (ایذائیں) جو اپنے شوہروں کو دیا کرتی ہیں تو ان میں سے ہر وہ جو نماز پڑھنے والیاں ہیں جنت میں داخل ہو جائیں۔ (سنن ابن ماجہ:۲۰۳۱)

ایک مرتبہ حضرت نبی کریم ﷺ نے قریشی عورتوں کے بارے میں فرمایا: ''اونٹ پر سوار ہونے والی عورتوں میں بہترین عورتیں قریش کی نیک عورتیں ہیں، جو بچے پر اس کے بچپن میں نہایت شفیق ہوتی ہیں اور شوہر کے ہاتھ میں جو کچھ (مال) ہوتا ہے اس کی محافظ و امین ہوتی ہیں''۔ (متفق علیہ)

(۶) اطاعت شعار اور فرماں بردار ہو: شوہر کی فرماں بردار اور اطاعت شعار ہو، تمام امور

میں اس کی خوشی و رضامندی کو پیش نظر رکھتی ہو، اپنی مزاج شناسی اور حکم بجا آوری سے شوہر کی محبوبِ نظر اور منظور خاطر ہو۔

سنن نسائی میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ: ”اے اللہ کے رسول! کون سی عورت بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا، وہ عورت کہ جب شوہر اسے دیکھے تو اسے خوش کر دے، جب اسے حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور اپنی ذات اور مال کے معاملے میں کوئی ایسا کام کرکے شوہر کی مخالفت نہ کرے جسے وہ ناپسند کرتا ہو“۔ (۳۲۳۳)

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: اگر شوہر بیوی کو حکم دے کہ زرد پہاڑ سے پتھر اٹھا کر کالے پہاڑ پر لے جائے اور کالے پہاڑ سے سفید پہاڑ پر لے جائے تو عورت کے لیے یہی مناسب ہے کہ شوہر کے حکم کے مطابق عمل کرے۔ (مشکاۃ:۳۱۱۷) یعنی اگر شوہر بیوی کو کسی دشوار کام کا حکم کرے اور وہ کام بے فائدہ ہو تو بھی بیوی شوہر کی اطاعت کرے۔ (طیبی)

(۷) شوہر کی تعظیم کرنے والی ہو: ارشادِ نبی علیہ الصلاۃ والسلام ہے: اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں، اس حق کی بنا پر جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر ان کا مقرر کیا ہے۔ (ابوداؤد)

آج کل اس حق کا فقدان ہے۔ عورتیں چاہتی ہیں ہم اپنے شوہروں کے ساتھ دوستوں جیسا رہیں، بلکہ اپنے قابو میں رکھیں اور اپنی اطاعت اور تعظیم کرائیں، ان کو شکایتیں ہوتی ہیں کہ میرے ساتھ ایسا کرنا چاہیے میرے ساتھ ایسا نہیں کیا۔

عورتوں کو یہ چاہیے کہ وہ اپنے شوہر کی اطاعت گزاری، مزاج شناسی، تعظیم و محبت کرکے شوہر کی لاڈلی بن جائیں، جنّتی عورتوں کی ایک صفت یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ وہ ”عُرُب“ ہوں گی جس کے معنی عربی لغت کی رو سے کچھ یوں کیے جاتے ہیں کہ وہ لڑکیاں جو اپنے مردوں کی محبوب ہوں، ناز وانداز کے سارے اسلوب جانتی ہوں، ان کی اداؤں میں ایک گرم جوشی اور دلربائی ہو، اپنے مردوں پر خود بھی فدا ہوں، ہنسنے اور ہنسانے والی ہوں، شیریں گفتار ہوں اور اپنے مردوں کی لاڈلی ہوں، بالفاظِ دیگر نسوانی خوبیوں کا ایک خوب صورت مرقع ہوں۔

(۸) عفت مآب اور پاک دامن ہو: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ﴿وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ﴾ [النور:۳] یعنی: زانیہ عورت سے صرف مشرک اور زانی

ہی نکاح کرتا ہے۔

حوروں کی ایک صفت یہ آئی ہے کہ وہ "قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ" ہوں گی۔ اپنے شوہروں کے سوا کسی کی طرف ان کی نگاہیں نہیں اٹھیں گی، اور ایک صفت یہ آئی ہے کہ وہ "مَقْصُوْرَاتٌ فِي الْخِيَامِ" ہوں گی، یعنی بازار کا شوپیس نہیں ہوں گی، بلکہ ایک قابلِ حفاظت اور سنبھال کر رکھے جانے کی چیز ہوں گی اور "پردہ نشین" ہوں گی۔

ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ کو اپنی بیوی کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ: "وہ کسی چھونے والے کے ہاتھ کو ہٹاتی نہیں ہے" تو نبی کریم ﷺ نے اسے چھوڑنے کا حکم دیا۔ اس نے عرض کیا: میں اس سے محبت کرتا ہوں، ایک روایت میں ہے کہ میں خوف کرتا ہوں اس بات کا کہ (طلاق کے بعد بھی) میرا نفس اس کے پیچھے لگا رہے گا۔ یعنی میرے لیے اس کا چھوڑنا دشوار ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو آپ اس سے استمتاع کریں یعنی فائدہ اُٹھائیں۔ (سنن نسائی: ۳۴۶۵)

(۹) حسن و جمال والی ہو: ایسی حسین ہو کہ شوہر اسے پسند کرتا ہو، مرد کے پاک دامن، پست نظر اور صاف دل رہنے میں اس صفت کا بڑا دخل ہے۔

"قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ" کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ جنتی بیویاں اپنے دل فریب جمال سے اپنے مردوں کی نگاہ کو اِدھر اُدھر نہیں ہونے دیں گی۔ ان کے سراپا میں ایسی بجلیاں بھری ہوں گی جو دیکھنے والے کی نگاہ کو جکڑ لیں گی اور اِدھر اُدھر کا ہوش نہیں رہنے دیں گی اور ہر عورت اپنے خاوند کے لیے ایسی ہی ہو گی۔

اس تفسیر کی رو سے عورت کے حسن کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے دیکھنے والے کی نگاہوں کو جکڑ لیں گی اور ادھر ادھر کا ہوش نہیں رہنے دیں گی۔

مسند احمد کی ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو نکاح کرنے کی غرض سے ایک لڑکی دیکھنے کے لیے بھیجا تو ان کو خاص طور پر دو چیزیں دیکھنے کی تاکید کی "شُمِّي عَوارِضَها، وانظُري إلى عُرقوبَيْها" یعنی اس کی منہ کی بو سونگھنا اور عرقوب دیکھنا (یعنی ٹخنوں کے پیچھے کی ہڈی / پٹھا جو ایڑی کے بالکل اوپر پنڈلی سے نیچے ہوتا ہے)۔ (۱۳۴۵۷)

یعنی اگر عرقوب صاف نظر آئے گا تو عورت نحیف الجسم ہو گی اور وہاں گوشت ہو گا تو عورت

لحیم الجسم ہو گی۔
اس سے پتہ چلتا ہے کہ نکاح کے معاملہ میں حسن و جمال کو مدنظر رکھنا شرعاً مطلوب ہے۔
ایک صحابی رضی اللہ عنہ کسی انصاری عورت سے نکاح کرنا چاہتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آپ اس خاتون کو دیکھ لیں، کیوں کہ انصار کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے۔'' (ترمذی:۱۰۸۷)
مطلب یہ تھا کہ ان کی آنکھوں کی رنگت بسا اوقات خوبصورتی کو متاثر کرتی ہے۔بعض انصاری خواتین کی آنکھیں یا تو چھوٹی تھیں یا نیلا پن تھا یا زرد تھیں، آنکھیں چہرے کا بڑا خوب صورت حصہ ہیں۔

یہ مست مست بے مثال آنکھیں اٹھیں تو ہوش و حواس چھینیں
نشے سے ہر دم نڈھال آنکھیں گریں تو کر دیں کمال آنکھیں

اگر آنکھ ہی میں خرابی ہو گی تو طبیعت کو قرار وسکون نہیں ملے گا، یہ نفرت اور تکدر کا باعث بن سکتی ہے۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح سے پہلے دیکھ لینے کی تاکید فرمائی۔

(۱۰) حسین سیرت، خوش اخلاق، خندہ مزاج، لین الطبع ہو:

حدیث میں ہے: تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلٰى إِحْدٰى الْخِصَالِ: لِجَمَالِهَا، وَمَالِهَا، وَخُلُقِهَا، وَدِيْنِهَا، فَعَلَيْكَ بِذَاتِ الدِّيْنِ وَالْخُلُقِ، تَرِبَتْ يَمِيْنُكَ. (مسند أحمد:۳/۸۰)
یعنی: عورت سے مال، جمال، اخلاق اور دین ان میں سے کسی ایک وصف کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے اور آپ دین دار با اخلاق عورت کا انتخاب کریں۔
سورۂ رحمن میں حوروں کے بارے میں ارشاد ربانی ہے کہ: وہ ''خَيْرَاتٌ حِسَانٌ'' ہوں گی یعنی ''ملکہ حسن'' ہونے کے ساتھ ساتھ خوش اخلاق اور خوش اطوار بھی ہوں گی۔
بیوی اگر خوش مزاج، نرم طبیعت ہو تو ازدواجی زندگی خوشیوں کا گہوارہ بن جاتی ہے۔

(۱۱) حلیم و بردبار ہو، سخت غیرت وغصے والی نہ ہو: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَلَا تَتَزَوَّجُ مِنْ نِّسَآءِ الْأَنْصَارِ؟ قَالَ: ''إِنَّ فِيْهِمْ لِغَيْرَةٍ شَدِيْدَةٍ.'' (سنن نسائی:۳۲۳۵)
یعنی اے اللہ کے رسول! آپ انصاری عورتوں سے نکاح کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا

کہ انصار کی عورتوں میں غیرت بہت زیادہ ہوتی ہے۔

غیرت پسندیدہ بھی ہوتی ہے اور ناپسند بھی، ناپسندیدہ قابل ترک ہے بسا اوقات آپ اپنی والدہ، بہنوں کو اس پر ترجیح نہیں دے سکتے وہ فوراً غصہ ہوکر ناراض ہو جائے گی اور اگر آپ دوسرا نکاح کرنا چاہو گے تو وہ آسمان سر پر اٹھا لے گی۔

(۱۲) نکاح میں آسان ہو: نکاح میں معمولی اور ہلکی پھلکی ہو کہ اس سے نکاح کرنے میں زیادہ محنت و مشقت نہ ہو۔مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مِنْ يُمْنِ الْمَرْأَةِ تَيْسِيْرُ خِطْبَتِهَا، وَتَيْسِيْرُ صُدَاقِهَا، وَتَيْسِيْرُ رَحِمِهَا. (۲۴۴۷۸) یعنی عورت کے مبارک ہونے کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ اس کا پیغام نکاح آسان ہو، اس کا مہر ہلکا پھلکا ہو اور اس کا رحم (بچہ دانی) آسان ہو یعنی حمل کو جلد قبول کرنے والا ہو۔

(۱۳) عورت مرد کے درمیان عمر کا بہت زیادہ تفاوت نہ ہو:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کا پیغام بھیجا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے شادی کا پیغام بھیجا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دی۔ (نسائی:۳۲۲۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عمر میں قریب تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اکیس اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پندرہ سال تھی۔

قرآن میں بھی جنتی بیویوں کے بارے میں آیا ہے کہ:

وہ "کواعب اور اتراب" ہوں گی؛ "أَتْرَابًا" یعنی جنتی مرد اور عورتوں کی عمر یکساں ہوں گی کیوں ہم عمروں میں اکثر چیزوں میں موافقت ہوتی ہے پسند ناپسند میں، زندگی گزارنے رہن سہن اور مزاج میں، دل جمعی اور دل بستگی خوب حاصل ہوتی ہے، اور "كَوَاعِبَ" یعنی ان کی چھاتیوں پر جوانی کے دلکش ابھاروں کی گولائی ایک متناسب اٹھان کے ساتھ ظاہر ہوگی جیسا کہ ابتدائے بلوغت میں ہوتا ہے۔

———

بیوی فربہ یا ہلکی؛ خوب صورتی کس میں ؟

یہ ایک اہم سوال ہے کہ بیوی فربہ اندام، سمین، موٹی تازی بھاری بھرکم جسم والی پسند کی جائے یا پتلی دبلی چھریرے بدن کی؟

خوب صورتی کی علامت کیا ہے عبلہ (بھرے ہوئے بدن والی ہونا) ہے یا سہلبہ (ہلکے پھلکے بدن والی)۔

ماہرین کہتے ہیں خوب صورتی ایک ایسی چیز ہے جس کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن ہے۔ اس کی جامع تعریف نہیں کی جاسکتی کیوں کہ حسن کہا جاتا ہے:"مَایَمِیْلَ اِلَیْهِ النَّفْسُ وَتَشْتَهِیْهِ" یعنی نفس کا میلان جس طرف ہو اور وہ اس کو اچھا لگے۔

اور ظاہر ہے لوگوں کی اشتہا اور پسند جدا جدا ہوتی ہے۔ کسی کو دبلی پسند ہوتی ہے کسی کو فربہ، کسی کو سیاہ حسن پسند ہوتا ہے کسی کو سفید پنک، کسی کو ستواں کتابی چہرے والی پسند ہوتی ہے کسی کو گول چہرے والی، کسی کو یہ پسند ہے کہ اس کی ناک چھوٹی کھڑی ہو کسی کو یہ پسند ہے کہ ناک چھوٹی چپٹی ہو۔

جب پسند ہی جدا جدا ہے تو حسن کی جامع تعریف ممکن کیوں کر ہو۔ بعضوں نے ایک گول مول بات کہیں"کُلُّ مُبْهِجٍ مَرْغُوْبٍ فَهُوَ حَسِیْنٌ" ہر خوش کن اور دل کو بھانے والی چیز حسین ہے۔

اب ظاہر ہے کسی کو فربہ بدن والی پسند ہوتی ہے کسی کو ہلکے بدن والی۔

کتبِ حدیث میں بھی اشارۃً وکنایۃً دونوں ہی باتیں ملتی ہیں۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب طائف والوں سے جنگ کا ارادہ تھا تو ایک مخنث نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبد اللہ بن ابو اُمیّہ کو کہا کہ اگر کل اللہ تعالیٰ نے طائف کی فتح مقدر کی تو میں تمھیں غیلان کی بیٹی دکھلاؤں گا، جو چار شکنوں کے ساتھ آتی ہے اور آٹھ شکنوں کے ساتھ جاتی ہے۔ (البخاری: ۴۳۲۴)

چار شکنوں کا مطلب یہ ہے کہ وہ لڑکی فربہ ہے، فربہی اور چربی سے اس کے پیٹ پر چار لکیریں اور شکن پڑجاتی ہیں۔ یہی شکنیں پیٹ سے ہوتے ہوئے پشت تک پہنچتی ہیں اور پشت پر چربی کی وجہ سے چار شکن پہلے ہی سے ہوتی ہیں یہ مل کر آٹھ شکن ہو جاتی ہیں، تو جب آتی

ہے تو چار شکنیں دل مچلاتی ہیں اور کام سے فارغ ہو کر جاتی ہے تو آٹھ شکنیں جی للچاتی ہیں۔

حدیثِ اُمِّ زرع میں ہے گیارہویں عورت کہتی ہے کہ: ''ابو زرع نے میرے دونوں بازو چربی سے بھر دیے تھے۔'' بازوؤں پر چربی سب سے آخر میں چڑھتی ہے یعنی بدن کے دوسرے حصوں پر بھی چربی چڑھی ہوئی تھی۔ ابو زرع کی بیٹی کی بارے میں کہتی ہے ''ابو زرع کی بیٹی کے کیا کہنے ماں باپ کی فرمابردار اور اپنے کپڑوں کو بھرنے والی تھی۔'' یعنی فربہ اندامی اور حسن جمال کی وجہ سے اپنے کپڑوں میں بھری بھری معلوم ہوتی تھی۔ (شمائل ترمذی)

مسند احمد کی ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت اُمِّ سُلیم رضی اللہ عنہا کو نکاح کرنے کی غرض سے ایک لڑکی دیکھنے کے لیے بھیجا تو ان کو خاص طور پر دو چیزیں دیکھنے کی تاکید کی: ''شُمِّي عَوارِضَها، وانظُري إلى عُرقوبَيْها'' کہ اس کی منہ کی بو سونگھنا اور عرقوب دیکھنا۔ یعنی ٹخنوں کے پیچھے کی ہڈی/ پٹھا جو ایڑی کے بالکل اوپر پنڈلی سے نیچے ہوتا ہے اگر وہ صاف نظر آئے گا تو عورت چھریرے بدن کی ہوگی اور وہاں گوشت ہوگا تو عورت فربہ اور موٹے بدن کی ہوگی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے دوڑ لگائی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیت گئیں، یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ ہلکی پھلکی تھیں۔

واقعہ اُفک میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: وَكَانَ النِّسَآءُ إِذْ ذَّاكَ خِفَافاً لَمْ يُهْبِلْنَ، وَلَمْ يُغْشِهِنَّ اللَّحْمُ، إِنَّمَا يَأْكُلْنَ الْعَلَقَةَ مِنَ الطَّعَامِ.

عورتیں اس زمانے میں ہلکے بدن کی تھیں ان پر گوشت نہیں چڑھا تھا کیوں کہ تھوڑا ہی کھانا ان کو مل پاتا تھا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود ہلکے بدن کی تھیں اسی وجہ سے ہودج اونٹ پر رکھ دیا گیا اور رکھنے والوں کو علم ہی نہ ہوسکا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس میں نہیں ہیں۔

ہم سب کو معلوم ہے کہ آپ ﷺ کی سب سے زیادہ چہیتی، پسندیدہ اور محبوب بیوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

ایک عربی شاعر کہتا ہے:

والبطن ذو عُكَن خميص طيّه　　　والصدر تنفجه بثدي مُقعد

(اس لڑکی کا) پیٹ شکنوں والا ہے جس کی سلوٹیں گہری ہیں اور سینہ اوپر اٹھا ہوا ہے۔ پلپلے

بھرواں تنے ہوئے پستانوں سے۔

اردو شاعر کہتا ہے:

شاخِ گل جھوم کے گل زار میں سیدھی جو ہوئی   پھر گیا آنکھ میں نقشہ تری انگڑائی کا

اس شعر میں لڑکی کو شاخِ گل سے تعبیر کیا گیا ہے اور شاخ پتلی ہوتی ہے وجہ تشبیہ یہی ہے۔

الغرض! دونوں طرح کی باتیں ملتی ہیں۔ پسند جدا جدا ہوتی ہے۔عرب لحیم شحیم خاتون کے دلدادہ زیادہ ہوتے تھے۔ جب کہ عجم دبلی پتلی پر مرٹنا پسند کرتے تھے لیکن اتنی بات طے ہے کہ ہمارے زمانے میں عورتوں کو جو موٹاپا چڑھتا ہے وہ عربوں کو پسند نہیں تھا، ایسا موٹاپا جس میں بطن مافوق البطن سے آگے نکل جائے، عورت کا پھرتیلا پن ختم ہو جائے، عورتوں میں کئی طرح کی بیماریاں لائے، دوسرے جسموں کے مقابلے میں پیٹ ہی زیادہ چربی زدہ ہو، اس کے چلنے کی چال اور بیٹھنے کا طرز بدل جائے۔

عجمیوں کو بھی دبلا پن ایک حد تک پسند ہے کہ عورت کا بدن کمزور اور پستان چھوٹے نہ پڑجائیں، نہ کمر کمرہ ہو اور نہ شروع ہوتے ہی ختم ہو جائے، دونوں شانوں کے درمیانی فاصلہ بہت کم نہ ہو کہ باہوں میں کچھ محسوس ہی نہ ہو۔

اتنی بات دونوں کے یہاں مسلم ہے کہ عورت کا بدن قدرے بھرا ہوا اور سینہ ابھرا ہوا ہو، رانیں بھاری بھر کم اور کولہے گوشت دار ہوں، رخسار بھی ہڈیوں سے لگتے ہوئے نہیں بلکہ قدرے گوشت والے ہوں جو چہرے کو وی (V) شکل میں ڈھالتے ہوں۔

ایک شاعر کہتا ہے:

وهز الريح أردافا ثقالا   وغصنا فيه رمان صغار

یعنی ہوا نے بھاری کولہوں کو ہلا دیا اور ٹہنی کو جس میں چھوٹے انار لٹک رہے ہیں۔

(انار کا چھوٹا ہونا کم عمری پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ مرد عموماً کم عمر کی لڑکی پسند کرتا ہے۔)

اُمِّ زرع اس عورت کا نقشہ یوں کھینچا ہے کہ: ”يَلْعَبَانِ مِنْ تَحْتَ الْخُصَرِ بِرُمَّانَتَيْنِ الخ“ اس جملے میں منظر کی دلکشی کے بیان کے ساتھ ساتھ مذکورہ عورت کی نسوانی حسن کی طرف بھی اشارہ ہے کیوں کہ اس عورت کی کمر پتلی اور سینہ اور سرین کا حصہ بھرا ہوا

اور فربہ تھا۔ وہ لیٹی ہوئی تھی اور اس کے سینہ اور سرین کے درمیان جو خلا سا پیدا ہوتا تھا پتلی کمر کی وجہ سے اس کو "تَحْتَ الْخُصْرِ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں اس کے دو بچے دواناروں کے ساتھ کھیل رہے تھے یعنی اس کے پہلو کے نیچے سے انار ادھر ادھر پھینکتے جاتے تھے۔

بہر حال خاتون کیسی بھی ہو بس پیا کے من کو بھا جائے، جسے پیا چاہے وہی سُہاگن، کیا سانولی کیا گوری کیوں کہ: سہاگہن وہی جو پیا من بھائے۔

محبت کا معیار

مرد کو اپنی بیوی سے اور عورت کو اپنے شوہر سے کتنی محبت ہونی چاہیے؟

اللہ تعالیٰ نے انسان کو انسانی صفات، عادات و اخلاق پر ڈھالا ہے، جس کو جبلت و فطرت بھی کہتے ہیں، جس پر انسان کو ڈھالا جائے اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ کہاوت ہے: "جبل گردد جبلت نہ گردد۔"

ان صفات و عادات میں سے ایک "محبت" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محبت کرنے کا جذبہ، صلاحیت، استعداد ہر انسان کے دل میں رکھی ہے، وہ اپنے دل کا کھچاؤ ضرور کسی کی طرف محسوس کرتا ہے۔

محبّت گناہ نہیں: اور محبّت کرنا گناہ نہیں ہے۔ ہاں اسباب، گناہ ہو سکتے ہیں، طور طریق گناہ ہو سکتا ہے لیکن کسی پر دل آجانا برا نہیں، کسی کے حسن و جمال، کمال و منال پر فریفتہ ہونا گناہ نہیں۔ "وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ" (چاہے ان کی خوبی (اے نبی) آپ کو پسند آئی ہو)

ہم نے اپنے بڑوں سے یہ شعر سنا ہے:

گر سمجھو تو ایک بات کہوں عشق توفیق ہے گناہ نہیں

محبت میں انسان مجبور ہے، پھر محبت اضطراری ہے کہ یہ تو دل کا کام ہے۔

"بسا لینا کسی کو دل میں دل ہی کا کلیجہ ہے"

اور دل پر کس کا زور چلتا ہے؟ نہ چاہتے ہوئے بھی دل کسی پر مرمٹتا ہے، کسی پر اپنا سب کچھ نچھاور کر دیتا ہے، دل کا سودا کر کے سودائی ہو جاتا ہے، اس سودائی سے کوئی پوچھے کہ تم یہ کر کیا رہے ہو؟ کس پیچ و تاب میں ہو؟ تو جواب اس کا یہی ہوتا ہے:

محبت ہو تو جاتی ہے محبت کی نہیں جاتی یہ شعلہ خود بھڑک اٹھتا ہے بھڑکایا نہیں جاتا

محبت کسے کہتے ہیں؟

بعض چیزیں دقیق و غامض ہوتی ہیں اس لیے ان کی تعریف دشوار ہو جاتی ہے۔بعض چیزیں عیاں، روشن واضح ترین بلکہ ابدہُ البدیہیات ہوتی ہیں اس وجہ سے ان کی تعریف دشوار ہو جاتی ہے۔علم کی کئی تعریفیں کی گئی ہیں آپ پڑھتے پڑھتے تھک جائیں گے حتی کہ بعضوں نے تو اسے ناقابلِ تعریف قرار دے دیا ہے۔

محبت بھی اسی قسم میں سے ہے۔ کسی نے کہا: ''مَيْلُ الْقَلْبِ إِلَى الشَّيْءِ لِتَصَوُّرِ كَمَالٍ فِيْهِ''. (العینی) یعنی دل کا کسی چیز پر آجانا اس کے اندر موجود کسی کمال کی وجہ سے۔ ''الْمَيْلُ إِلیٰ مَا يُوَافِقُ الْمُحِبَّ''. (النووی) محبت کرنے والے کے موافق و پسندیدہ چیز کی طرف میلان کا نام محبت ہے۔

کسی نے کہا: بھلی، خوش کن، خوش گوار لگنے والی چیز کی طرف دل کا جھکاؤ۔

کسی نے کہا: محض محبوب کی خواہش کے پیش نظر اپنی خواہش کو پیروں تلے روند دینا۔

تقی صاحب فرماتے ہیں:

محبت کیا ہے دل کا درد سے معمور ہو جانا متاعِ جاں کسی کو سونپ کر مجبور ہو جانا

کسی نے کچھ کہا ہے اور کسی نے کچھ۔

اس مقام کے مناسب سپر ڈال دینا ہے۔ یہ ایک بدیہی چیز ہے، جیسے انسان پیٹ میں بھوک محسوس کرتا ہے، وہ اپنے دل میں محبت بھی محسوس کرتا ہے اس کو تعریف کر کے سمجھایا نہیں جاسکتا۔ بقول شاعر:

محبت اصل میں ''مخمور'' وہ رازِ حقیقت ہے سمجھ میں آگیا ہے پھر بھی سمجھایا نہیں جاتا

محبت کی کئی قسمیں کی گئی ہیں: لغوی، عرفی، اختیاری، اضطراری، عشقی، ایمانی، حقیقی، مجازی۔ ہوسکتا ہے تعریف میں اس اعتبار سے فرق ہو یا ہوسکتا ہے ابتداء و انتہاء کا فرق ہو۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا آگے آگے دیکھ ہوتا ہے کیا

جیسے انتہاء پر پہنچنے کے بعد کوئی عاشق کہہ اٹھتا ہے ''بخدا میرا سر قلم ہونے سے بچ جائے اور حضرت نبی کریم ﷺ کو ایک کانٹا بھی چبھے مجھے یہ بھی گوارا نہیں''۔

من تو شُدم تو من شُدی تا کس نہ گوید بعد ازیں
من تن شُدم تو جاں شُدی من دیگرم تو دیگری

(امیر خسرو دہلوی)

ترجمہ: ”میں تُو بن گیا ہوں اور تُو میں بن گیا ہے، میں تن ہوں اور تو جان ہے۔ پس اس کے بعد کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اور ہوں اور تو اور ہے۔“

نبی ﷺ کی چاہت میں یہی مطلوب ہے کہ انسان ہر چیز اور ہر شخص کی محبت پر نبی ﷺ کی محبت کو بڑھا دے والد اور اولاد کی محبت سے بھی حتی کہ اپنے آپ سے بھی زیادہ نبی ﷺ کی محبت ہو۔ (بخاری)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دوسرے عاشقانِ رسول نے ایسا کر کے بتایا وہ ایک جان دو قالب تھے۔ ان کی وہی خواہشات، جذبات و پسند ناپسند تھیں جو نبی ﷺ کی تھی۔

أنا مَن أهوى وَمَن أهوى أنا نَحنُ روحانِ حلَلنا بَدَنا

ترجمہ: میں وہی ہوں جسے میں چاہتا ہوں اور جسے میں چاہتا ہوں وہ میں ہوں۔ ہم دو روحیں ہیں جو ایک ہی جسم میں اُتر آئی ہیں۔

میاں بیوی کی محبت

آج کل جب محبت، پیار، عشق بولا جاتا ہے تو عورت کا مرد سے اور مرد کا عورت سے عشق کرنا ہی مراد لیا جاتا ہے۔ معاشرے میں اسے بہت بڑا درجہ دے دیا گیا ہے جو نہ سرحدیں دیکھتا ہے نہ حدیں، نہ رنگ و نسل دیکھتا ہے نہ تہذیب و کلچر، نہ دھرم دیکھتا ہے نہ مذہب، کہا جاتا ہے محبت اور پیار سب سے اوپر ہے، پیار اندھا ہوتا ہے، محبت کا کوئی مذہب نہیں یہ مذہب سے بالاتر ہے۔[العیاذ باللہ]

حضرت نبی کریم ﷺ نے جب یہ کہا تھا کہ میری محبت سب سے زیادہ ہونی چاہیے تو فرمایا تھا والدین سے اولاد سے بھی اور تمام لوگوں سے زیادہ ہونی چاہیے۔

”زوجہ“ کا ذکر صراحتاً نہیں کیا بلکہ اسے ”وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ“ کے ضمن میں بیان کیا۔

اور سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلۡ اِنۡ كَانَ اٰبَآؤُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ وَاِخۡوَانُكُمۡ وَاَزۡوَاجُكُمۡ وَعَشِيۡرَتُكُمۡ وَاَمۡوَالُ ۨ اقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَتِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَجِهَادٍ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ﴾ [التوبۃ:۲۴]

ترجمہ: ”(اے رسول!) آپ کہہ دیجئے: اگر تمہارے باپ دادا، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا خاندان، مال واسباب جن کو تم نے حاصل کیا ہے، (تمہاری) تجارت جس کے بیٹھ جانے کا تمہیں ڈر لگا رہتا ہے اور وہ رہائش گاہیں جنھیں تم پسند کرتے ہو، اگر تمہیں اللہ، اس کے رسول اور اس کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ جاری کر دے اور اللہ نافرمانی کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتے۔“

اس فرمان میں بھی بیوی کی محبت کو باپ دادا، اولاد اور بھائیوں کے بعد رکھا ہے۔

میرا مقصود بیوی سے محبت کی نفی نہیں ہے بس درجات کا تعین ہے۔ آخر زمانے میں لوگ بیوی کی محبت میں بیوی کو ماں سے زیادہ ترجیح دینے لگیں گے۔ مقصد اس کی روک تھام ہے، غلو سے اور اس سلسلے میں ہونے والی خطاؤں سے محافظت ہے۔

فی نفسہٖ میاں بیوی کی محبت تو ان کی فطرت اور گھٹی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً﴾ [الروم:۲۱]

ترجمہ: ”اسی کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے (بیویاں) بنادیئے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان پائیدار محبت اور ہمدردی پیدا کر دی۔“

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے فائدے کے لیے بیویاں بنائیں۔ سوچو! اگر اس دنیا میں صرف مرد ہی مرد ہوتے عورتوں کا نام ونشان نہ ہوتا تو دنیا کتنی بے رونق ہوتی، دنیا کی سرسبز و شادابی اور خوش نمائی بے رنگ ہو جاتی، زندگی بدمزہ بے ڈھنگ ہوتی۔

اور وہ فائدہ یہ ہے کہ مرد عورت کے پاس جا کر بیٹھے، اس سے باتیں کرے، اس سے لذت حاصل کرے اور سکون پائے، سکون پانے کے لیے آسانی ہو اس لیے ان دونوں میں پائیدار محبت

اور ایک دوسرے کی طرف جھکاؤ و میلان رکھا اور شفقت و ہمدردی بھی۔

اگر محبت نہ ہو تو آدمی اس سے بچّے ہونے کی وجہ سے یا اس کی ضرورت ہونے کی وجہ سے یا اس کے ساتھ کافی عرصہ ساتھ گزارنے کی وجہ سے اس سے مہربانی کا معاملہ کرتا ہے، اس وجہ سے ہمدردی بھی رکھی گئی۔

یہ محبت میاں بیوی کی عموما ''نکاح'' سے وجود میں آتی ہے، اللہ تعالیٰ نے نکاح کو بنایا ہی ایسی چیز ہے کہ ایک لفظ ہی سے دو پرائے شخص ایک دوسرے کے لیے شیر وشکر ہوجاتے ہیں۔

حضرت نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ''.

''دو محبت کرنے والوں کے لیے نکاح کی طرح کوئی چیز نہیں پاؤ گے''۔

مطلب یہ ہے کہ نکاح کے ذریعہ جس طرح خاوند اور بیوی کے درمیان بغیر کسی قرابت کے بے پناہ محبت والفت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح کا کوئی تعلق ایسا نہیں ہے جو دو شخصوں کے درمیان جو ایک دوسرے کے لیے بالکل اجنبی ہوں، اس درجہ کی محبت والفت پیدا کر دے۔

یا مطلب یہ ہے کہ مرد کسی پر فریفتہ ہوگیا تو اس فریفتگی اور محبت کا بقاء نکاح سے بہتر کسی چیز میں نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہمارے لیے بہترین مشعلِ راہ ہے۔آں حضرت ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات اور خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہایت محبت رکھتے تھے اور یہ تمام صحابہ کو معلوم تھا، چنانچہ لوگ قصداً اسی روز ہدیے اور تحفے بھیجتے تھے جس روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام کی باری ہوتی۔ [بخاری]

اسی محبت کی وجہ سے آپ اپنے زندگی کے آخری ایام حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس گزارنا چاہتے تھے، اسی وجہ سے آپ ان کی عزت افزائی کرتے کبھی ''يَا مُوَفَّقَةُ'' (توفیق دی ہوئی) فرماتے کبھی فرماتے ''جس طرح ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت ہے اسی طرح عائشہ کو تمام عورتوں پر فضیلت ہے''۔ (شمائلِ ترمذی) کبھی فرماتے: ''أَنَا لَكِ كَأَبِيْ زَرْعٍ لِأُمِّ زَرْعٍ'' میں تمہارے لیے ایسا ہوں جیسے ابو زرع اُمّ زرع کے لیے یہ آپ کی محبت تھی، لیکن اس محبت کی وجہ سے آپ ﷺ نے کبھی دوسری بیوی کا حق ضائع نہیں کیا۔ نہ شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی کرکے اپنا نقصان کیا۔ (العیاذ باللہ)

کبھی بیوی کی محبت یا شوہر کی محبت حد سے بڑھ جاتی ہے جو اس کے لیے دینی یا دنیاوی ذمہ داریوں میں مخل ہوتی ہے یا مضر ہوتی ہے ایسی محبت نہیں ہونی چاہیے کہ آدمی اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہو جائے یا یہ کہ محبت اسے برے اور غلط کام پر آمادہ کرے۔

ایسی خبریں بسا اوقات کانوں سے ٹکراتی ہیں کہ کسی مرد یا عورت کو اس کے محبوب نے چھوڑ دیا تو وہ دماغی مریض ہوگیا یا نشے کی لت اختیار کرلی یا کام کاج سے بیٹھ کر دین و دنیا سے بے گانا ہوگیا یا خودکشی کرلی بلکہ بعض ناسمجھ بچیوں کے دین تک چھوڑنے کی خبریں موصول ہوتی رہتی ہیں، کسی کی محبت کو اتنا غالب نہیں ہونے دینا چاہیے کہ آدمی اپنا یا اپنے دین کا ہی نقصان کر بیٹھے۔

اپنی بیوی سے محبت کا بڑھ جانا قابل ملامت نہیں ہے

مدینہ منورہ میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت مغیث رضی اللہ عنہ دونوں غلام تھے، ان کے آقاؤں نے ان دونوں کا نکاح کروا رکھا تھا، چوں کہ غلامی کے زمانہ میں ان سب چیزوں کا اختیار آقاؤں کے ہاتھ میں ہوتا ہے غلام باندیاں اس سلسلے میں بے اختیار ہوتے ہیں، پھر جب کوئی باندی آزاد کردی جائے تو وہ اپنے اختیار کی مالک ہوتی، نکاح کے باقی رکھنے نہ رکھنے کا بھی باندی کو اختیار ہوتا ہے۔

ہوا یوں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے توسط سے آزاد ہوگئیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے شوہر کے نکاح میں باقی رہنے نہ رہنے کا اختیار دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ان کے شوہر "مغیث" سیاہ فام تھے، یعنی بدصورت تھے، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے کو اختیار کرکے ان سے علیحدگی اختیار کرلی، حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے بڑی محبت تھی، حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کو اس بات کا بہت قلق ہوا، وہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے لگے رہتے تھے اور اپنی محبت کا یقین دلاتے تا کہ وہ ان پر رحم کھا کر اپنے فیصلہ کو بدل دیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس وقت بہت چھوٹے تھے، وہ واقعہ کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: گویا کہ میں ان کو بریرہ کے پیچھے پیچھے مدینہ کی گلیوں میں پھرتا ہوا دیکھ رہا ہوں (وہ منظر اب بھی میرے سامنے ہے) ان کے آنسوؤں نے ان کی ڈاڑھی تک کو تر کردیا ہے۔ (بخاری) ان کے مابین یک طرفہ محبت تھی، ایک طرف شدید محبت، دوسری طرف حد درجہ بیزاری، یہ چیز باعث تعجب ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس (رضی اللہ عنہ)

کو کہا: کیا آپ کو مغیث کی بریرہ سے محبت اور بریرہ کی مغیث سے نفرت پر تعجب نہیں ہے۔

جب حضرت مغیث رضی اللہ عنہ اپنی کوششوں میں ناکام ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا کہ بریرہ سے میرے بارے میں سفارش کر دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کے اندر سوائے شکل وصورت کے کوئی خرابی نہیں ہے، اگر بریرہ ان سے رجوع کر لیں گی تو عند اللہ ان کا مرتبہ بڑھ جائے گا، اور ان کو دلداری کا ثواب ملے گا لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے سفارش کی کہ: ''اگر تم اپنے فیصلہ سے رجوع کر لو تو بہتر ہے، اس لئے کہ وہ تمہارے بچے کے باپ ہیں۔'' حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! آپ کا یہ حکم ہے؟ فرمایا: نہیں میں سفارش کر رہا ہوں (یعنی ایک طرح کا مشورہ دے رہا ہوں، اس کے قبول کرنے کا یا رد کرنے کا تم کو مکمل اختیار ہے) تو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا مجھے ان میں کوئی حاجت نہیں ہے۔ (یعنی جب مجھے رد کرنے کا اختیار ہے تو میں ان سے علیحدگی اختیار کرنے کے اپنے فیصلہ پر قائم رہنا چاہتی ہوں۔)

اس حدیث سے چند باتوں کا علم ہوتا ہے: (۱) اگر کوئی اپنی بیوی پر کچھ زیادہ نچھاور ہو جائے اور دل کا میلان اس کی طرف بڑھ جائے، محبتوں کی حد پار کر کے عشق کی حد میں پہنچ جائے تو یہ جس طرح قابلِ تحسین نہیں اسی طرح قابلِ ملامت بھی نہیں۔ یہ ایک غیر اختیاری چیز ہے۔

محبت ہو تو جاتی ہے محبت کی نہیں جاتی — یہ شعلہ خود بھڑک اٹھتا ہے بھڑکایا نہیں جاتا

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یک طرفہ شدتِ محبّت کو قابلِ تعجب تو سمجھا؛ لیکن آپ نے ملامت نہیں فرمائی۔

(۲) بڑا آدمی چھوٹے آدمی سے سفارش کرسکتا ہے، سفارش قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔

(۳) بڑے کی چھوٹا سفارش قبول نہ کرے تو بڑے کو برانگیختہ نہ ہونا چاہئے، اس کو یہ سوچنا چاہئے کہ میں نے بھلے کام کی سفارش کی مجھے ثواب ملا، جبر کرنا، یا اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کر کے سفارش قبول کرنے پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔

(۴) اسلام میں ایک عورت کو اس کے نکاح کے سلسلے میں کافی اختیار دیا ہے حتی کہ صحیح حدیث میں ہے لڑکی اپنے بارے میں زیادہ حق رکھتی ہے اپنے ولی کی بنسبت۔

(۵) کسی کی بدصورتی کی وجہ سے نکاح نہ کرنا یہ بھی عورت کو اختیار ہے۔

نا محرم سے محبت

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں: نا محرم سے محبت کی مثال ایک نشے کے انجیکشن جیسی ہے جس کے نشے میں کھو کر ہمیں سب رنگین نظر آتا ہے، مگر جب یہ نشہ اترتا ہے تو ہم اپنی دنیا برباد کر چکے ہوتے ہیں۔

اور اسی طرح نا محرم کی محبت ایک تجارت ہے جس میں روز ہم تھوڑا تھوڑا ایمان بیچتے ہیں اور بدلے میں محبت خریدتے ہیں مگر یہ محبت نہیں، ہوس ہے۔ جس کے بعد ہم اپنا سکون کھو دیتے ہیں اور یہ ہمارے اعمال ضائع کر دیتی ہے اور بے حیائی پر بے باک بنا دیتی ہے۔

ہمارے اکابر اگر یہ دیکھتے کہ کوئی بیوی کی محبت کی وجہ سے دینی کاموں میں عبادت و ریاضت میں کوتاہی کر رہا ہے تو اسے طلاق دینے کا حکم دیتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، نہایت حکیم اور مدبر شخص تھے جب انھوں نے دیکھا کہ ان کے بیٹے عبداللہ (رضی اللہ عنہ) نے نکاح کے بعد اپنی بیوی سے اس قدر لگاؤ کر رکھا ہے کہ عبادت و مجاہدہ میں مخل ہوگا تو انھوں نے طلاق دینے کا حکم دیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی پریشان کہ کیا کریں؟ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ابا تو طلاق دینے کا کہہ رہے ہیں؟ کیا کروں؟ تو آپ نے فرمایا: اپنے ابا کا کہا مانو۔

پھر جب دوسری مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طلاق دینے کا حکم دیا تو فوراً طلاق دے دی، بعد میں بیٹے نے کہا کہ وہ تو فی الحال حائضہ ہے (میں نے اس لیے پہلے نہیں کہا کہ کہیں آپ اسے طلاق نہ دینے کا بہانا نہ سمجھ لیں) ابا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا، آپ نے رجوع کر کے پھر ایسے طہر میں طلاق دینے کا حکم دیا جس میں بیٹے نے بہو سے ہم بستری نہ کی ہو اور فرمایا چاہو تو نکاح میں روک بھی سکتے ہو، آپ نے اختیار بھی دیا۔ (سنن ابن ماجہ)

بہر حال انھوں نے رجوع کیا پھر طلاق نہیں دی کیوں کہ ایک مرتبہ طلاق دینے کے بعد اب پہلے جیسی شدید محبت باقی نہیں رہی تھی۔

مطالبہ حقوق کا ہے محبت کا نہیں

جیسا کہ آپ حضرات جان چکے ہیں کہ دل پر کسی کا زور نہیں چلتا، دل بے قابو ہے۔ محبت غیر اختیاری ہوتی ہے، اس وجہ سے مردوں سے بھی مطالبہ ادائیگیِ حقوق کا ہے اور عورتوں سے

بھی۔آپ قرآن وحدیث پڑھیں گے اس میں کہیں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ بیوی سے محبت کرو۔ محبت پر دائم رہو یا محبت بڑھاؤ بلکہ دونوں کو کہا گیا ہے کہ ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں اور معاشرت اچھی رکھیں۔ اس لیے کہ اگر کوئی مرد کہے کہ مجھے آپ سے بہت محبت ہے،آپ کے بنا جیون ادھورا ہے، زندگی فضول ہےاور منہ سے تھوک اُڑا کر زمین و آسمان کے قلابے ملاتا ہے لیکن حقوق ادا نہیں کرتا، نہ اخراجات پورے دیتا ہے، نہ خبر گیری کرتا ہے، تو یہ زبانی جمع خرچی ہے۔

اسی طرح اگر کوئی عورت یہ کہے آپ میرے سرتاج ہو جان ہی نہیں جان جہاں ہو ، تمہارے بنا میں جی تو کجا مر بھی نہیں سکتی، میرا رگ و ریشہ تمہاری محبت میں سرشار ہے لیکن شوہر کے حقوق ادا نہیں کرتی نہ اطاعت کرتی ہے نہ تعظیم تو یہ صرف زبانی ڈھکوسلہ اور دغابازی ہے۔

شاعر کہتا ہے:

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقاً لَأَطَعْتَهُ   إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ يُطِيْعُ

اگر تو محبت میں سچی ہوتی تو میری اطاعت کرتی، اس لیے کہ محب جس سے محبت کرتا ہے اس کی اطاعت ضرور کرتا ہے۔

محبت اور برتاؤ میں عورت کے درجہ کی تعین

﴿وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا﴾ [النبأ:۸]

ترجمہ: اور تمھیں (مرد وعورت کے) جوڑوں کی شکل میں ہم نے پیدا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی تکمیل ہی عورت سے کی ہے،لیکن عورت کی حیثیت مقرر کرنے میں عموماً افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔

شعراء کی سنو تو وہ کائنات کا حسن ہی عورت سے قرار دیتے ہیں، قدامت پسند ہنود کی سنو تو وہ اسے انسان کا درجہ بھی نہیں دیتے ہیں۔

کوئی کہتا ہے: عورت پیر کی جوتی ہے، پسند نہ آئے تو جب چاہو بدل لو۔ کوئی کہتا ہے: عورت تو سر کا تاج ہے، کوئی گھر کی رانی تو کوئی نوکرانی گردانتا ہے۔ جاہلیتِ قدیمہ میں پیدائش کے بعد اور جاہلیتِ جدیدہ میں قبل از پیدائش درگور ان کا مقدر ہے، تو دوسری طرف استری، ناری اور انثی کو دیوی قرار دیا جاتا ہے۔ حالاں کہ اسلام نے عورت کی جو حیثیت مقرر

کی ہے وہ بہت میانہ و معتدل ہے۔
چند نصوص آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، جن سے ہم عورت کی حیثیت سمجھنے کے قریب ہوسکتے ہیں اگرچہ ان نصوص میں عورت کی حیثیت کا بیان نہیں ہے۔
نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دنیا تمام کی تمام برتنے کا سامان ہے اور بہترین دنیوی متاع (برتنے کی چیز) نیک عورت ہے۔ (مشکاۃ)
عورتوں/بیویوں کو قرآن میں لباس اور کھیتی کہا گیا ہے۔ اس سے متاع (برتنے کا سامان) کی کچھ وضاحت ہو جاتی ہے۔
ایک روایت میں ہے کہ ''عورت ستر (قابل ستر) ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو گھورتا ہے''۔ (ترمذی: ۱۱۵۶)
ایک روایت میں عورتوں کو ان کے نازک اندام ہونے کی وجہ سے شیشوں سے تشبیہ دی ہے۔ (بخاری: ۶۱۴۹)
اور ایک روایت میں ان کے مزاج و سرشت میں کجی ہونے کی وجہ سے پسلی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ (ترمذی: ۱۱۷۳)
ان سب نصوص سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ عورت نہ سر پر بٹھانے کی چیز ہے نہ پاؤں کی جوتی، نہ ناقابلِ زیست ہے نہ زیست دینے والی، نہ رانی ہے نہ نوکرانی، بلکہ وہ برتنے کا سامان اور استعمال میں لانے کی چیز ہے جس سے بطور لباس استمتاع کیا جائے اور بطور کھیتی نسل حاصل کی جائے، اور برتنے میں دھیان رہے کہ یہ نازک اندام ہیں کہیں شیشے کی طرح بکھر نہ جائیں، ذرا خیال رہے، اور یہ بھی خیال رہے کہ جبلت میں یہ ٹیڑھی ہیں اور ''جبل گردد جبلت نہ گردد'' پہاڑ تو ٹل سکتا ہے جبلت نہیں بدلتی، اس کو ملحوظ رکھ کر ان سے استمتاع و گزران ہو اور ان کی تکالیف پر صبر، کیوں کہ ان سے صبر بھی ممکن نہیں ہے۔
لَاخَیْرَ فِی النِّسَآءِ وَلَاصَبْرَ عَنْهُنَّ. [روح المعانی، یہ مقولہ حدیث نہیں ہے]
اور اسی کی حفاظت کے لیے اور کماحقہ استمتاع کے لیے اس کو چھپا کر رکھے، پردہ اور حجاب یا گھر میں رکھے۔ نیز قرآن میں مرد کو ذمہ دار اور حاکم بھی کہا گیا ہے جس سے عورت کا محکوم اور ماتحت ہونا مفہوم ہوتا ہے اور ماتحت رہنا ہی اس کی خوبی ہے۔ اور مزاج میں ٹیڑھا پن ہونے

کی وجہ سے اصلاح کرتے رہنا ضروری ہے، البتہ اصلاح کرنے میں اس طرح سیدھا نہیں کیا جائے گا کہ ٹوٹ جائے، کیوں کہ اس کا ٹوٹنا طلاق ہے۔

پانچ غلط فہمیاں عورتوں کے بارے میں

اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ان کا ازالہ

غلط فہمی (١): عورت مرد کی پسلی سے پیدا کی گئی ہے؛ لہٰذا اسے دل کے پاس پہلو میں رکھو۔

ازالہ : یہ غلط فہمی ہوئی ہے۔ حدیث: ”فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ“ (عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے) کے درست نہ سمجھنے کی وجہ سے۔

حالاں کہ اس حدیث میں عورت کی تخلیق کا بیان نہیں ہے بلکہ اس کی فطرت میں کجی کی تمثیل ہے۔

تحفۃ القاری اور تحفۃ الالمعی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں: اس حدیث میں نسوانی فطرت میں جو کجی ہے اس کی تمثیل ہے، پسلی کی مثال سے اس کو سمجھایا ہے، پسلی میں کجی فطری ہوتی ہے وہ کسی طرح ختم نہیں ہوسکتی، کوئی اس کو سیدھا کرنا چاہے تو ٹوٹ جائے گی، یہی حال صنفِ نساء کا ہے، اس کی فطرت میں کجی ہے جو کبھی نکل نہیں سکتی، اس لیے اس بات کو پیشِ نظر رکھ کر بیوی سے معاملہ کرنا چاہئے یعنی حسن سلوک کرنا چاہیے، بیوی کی کوتاہیوں سے درگذر کرنا چاہئے، اس کی نامناسب باتوں کو نظر انداز کرنا چاہئے، جب ہی نباہ ہوگا اور اگر کوئی چاہے گا کہ بیوی کو سیدھا کر دے تو یہ ناممکن ہے، اس کو سیدھا نہیں کر سکے گا بلکہ اس کو توڑ بیٹھے گا اور بیوی کو توڑنا یہ ہے کہ طلاق کی نوبت آجائے گی، پس اس سے بہتر نرمی کا معاملہ کرنا ہے۔

اس حدیث کو دادی حواء کے ساتھ جوڑا گیا ہے کہ وہ حضرت آدم کی پسلیوں میں سے کسی پہلو سے پیدا کی گئی ہیں مگر حاشیہ میں اس قول کو ”قِیْل“ سے ذکر کیا ہے یعنی یہ ضعیف قول ہے صحیح بات وہ ہے جو اوپر بیان کی اور حاشیہ میں قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے: إِنَّهنَّ خُلِقْنَ خَلْقًا فِيهنَّ إِعْوِجَاجٌ فَكَأَنَّهنَّ خُلِقْنَ مِنْ أَصْلٍ مُعَرَّجٍ، كَالضِّلَعِ مَثَلًا، فَلَا يَتَهَيَّأُ انْتِفَاعُ بِهنَّ إِلَّا بِالصَّبْرِ عَلَى اعوجاجهن. یعنی عورتوں

کی بناوٹ ایسی ہے کہ ان میں کجی ہے پس گو یا عورتیں ٹیڑھی اصل سے پیدا کی گئی ہیں، مثلاً پسلی سے، پس ان سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں مگر ان کی کجی پر صبر کرنے کے ذریعہ حدیث کا صحیح مطلب یہی ہے اور جو عام بات چلی ہوئی ہے وہ ضعیف ہے۔ اسرائیلیات سے وہ بات در آئی ہے۔

روح المعانی میں سورۃ النساء کی تفسیر میں حاشیہ میں خود مفسر نے امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ جس مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے تھے اس کے باقی ماندہ سے حضرت حواء پیدا کی گئی تھیں اور یہی بات قرینِ عقل ہے۔ تمام حیوانات جن میں توالد و تناسل کا سلسلہ قائم ہے ان کے پہلے افراد (مذکر و مؤنث) مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ کوئی مادہ نر کی پسلی سے نہیں پیدا کی گئی۔

اور سورۃ النساء کی پہلی آیت میں جو خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ (اللہ وہ ہے جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا) آیا ہے اس سے نفسِ انسانی مراد ہے۔ حضرت آدم کا وہاں صراحتاً ذکر نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کی اصطلاح میں یہ روحِ اعظم (انسانِ اکبر) ہے۔ عالمِ مثال میں اس کا وجود ہے اور تمام انسان مذکر بھی اور مؤنث بھی اس کے افراد ہیں اور بعد از مرگ سب اسی میں جا کر مل جاتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر صنف کا جوڑا اسی صنف سے پیدا کیا گیا ہے۔ اسی صورت میں باہمی مودت و رحمت کا تحقق ہوسکتا ہے۔ اگر انسان کا جوڑا بھینس یا بکری ہوتی تو باہم کیا موافقت ہوتی؟ آیت کریمہ میں یہی مضمون ہے کہ اللہ نے مردوں اور عورتوں کو ایک ہی نفس انسانی سے پیدا کیا ہے، پھر ان دونوں سے نسل پھیلائی ہے۔

غلط فہمی (٢): عورتوں پر گھر کے کام کاج، کھانا بنانا، شوہر کی خدمت کرنا واجب نہیں ہے۔

ازالہ: حالاں کہ صاحب ہدایہ نے غلام اور عورت پر جمعہ کی نماز میں حاضری واجب نہ ہونے کی دلیل یہ ذکر کی ہے کہ غلام آقا کی خدمت میں اور عورت شوہر کی خدمت میں مشغول ہوتے ہیں۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر عورت شریف ہو اونچے حسب نسب کی ہے تو بھی اس پر گھریلو کام کاج دیانۃً واجب ہے۔

غلط فہمی یہاں سے ہوئی کہ مغرب اور اہلِ تجدُّد نے جب خود ساختہ اخلاقیات اور ہر ایک کی آزادی کا ہوّا کھڑا کیا تو انھوں نے اسلام کی چند باتوں پر رد وقدح شروع کر دیا، اس میں سے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اسلام میں عورتوں کی آزادی کو چھینا گیا ہے، اس کو جکڑ بند کر کے گھر میں محبوس کیا ہے اور گھر کی ایک نوکرانی، شوہر کے بچوں کو پالنے والی دایہ بنا کر رکھا ہے۔

پھر ہمارے بعض مقررین نے اسلام میں عورتوں کے حقوق اور آزادی کو ثابت کرنے کے لیے یہاں تک کہہ دیا کہ عورت پر گھریلو کام کاج بھی واجب نہیں ہیں حالاں کہ مسئلہ یہ ہے کہ قضاءً واجب نہیں ہے، ہاں دیانۃً واجب ہے۔ حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رخصت فرمایا تو گھر کے باہر کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اور گھر کے اندر کی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذمہ میں رکھی۔

ان حضراتِ مقررین کا یہ جواب بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی نے کہا کہ اسلام جہاد کے ذریعہ سے نہیں پھیلا حالاں کہ جہاد کو اسلام کی شان و شوکت اور حفاظت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، ہاں تلوار کے زور پر نہیں پھیلا۔

دار العلوم کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

بیوی پر شوہر کے لیے کھانا بنانا دیانتاً واجب ہے اور یہ اس کی خدمت کا حصہ ہے۔

واجبات الإسلام سبعة:......خدمة ......المرأة لزوجها، ومراده بالواجب ما يعم الواجب ديانة كخدمة المرأة لزوجها، لوجوبه - الطحن والخبز- عليها ديانة ولو شريفة؛ لأنه عليه ﷺ قسم الأعمال بين علي وفاطمة فجعل أعمال الخارج على علي رضي الله تعالىٰ عنه والداخل على فاطمة رضي الله عنها مع أنها سيدة نساء العالمين، بحر (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، ٥: ٢٩١)، قوله: "لوجوبه عليها ديانة": فتفتى به. (رد المحتار)

ترجمہ: "واجباتِ اسلام سات ہیں... ان میں سے ایک... عورت کا اپنے شوہر کی خدمت کرنا ہے، اور مصنّف کے کلام میں "واجب" سے مراد وہ واجب ہے جو دیانتاً لازم ہو، جیسے عورت کا شوہر کی خدمت کرنا۔ (رد المحتار)

کیوں کہ عورت پر پیسنے اور روٹی بنانے کا کام دیانتاً واجب ہے، چاہے وہ شریف گھرانے کی ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان گھریلو کام بانٹ دیے تھے۔ باہر کے کام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذمے اور گھر کے اندر کے کام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذمے لگائے، حالاں کہ حضرت فاطمہ ”سیدۃ نساء العالمین“ (عورتوں کی سردار) تھیں۔ (بحر)

مصنّف کا یہ قول کہ: ”یہ عورت پر دیانتاً واجب ہے“... اس پر فتویٰ دیا جائے گا۔“ (ردالمحتار)

غلط فہمی (۳): عورت گھر کی قیدی نہیں ہے، شوہر گھر سے باہر نکلنے پر پابندی نہیں لگا سکتا، عورت اطلاع کر کے جا رہی ہے، شوہر کو بھی پتا ہے کہ وہ کہاں جا کر آئے گی تو پابندی کیوں؟

ازالہ: یہ غلط فہمی بھی نام نہاد آزادیٔ نسواں اور فیمینزم سے آئی ہے کہ عورت بھی مرد کے ہم پلہ سمجھی جانی چاہیے، ہر وہ کام جو مرد کر سکتا ہے عورت بھی کر سکتی ہے، عورت پر کسی طرح کی روک ٹوک اور جبر و زبردستی نہیں ہونی چاہیے۔

حالاں کہ حدیث شریف میں ہے ”فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ“ عورتیں تمہارے پاس قیدی ہیں۔ شیخ تحفۃ الالمعی میں فرماتے ہیں کہ: ”یہ حق احتباس کا بیان ہے یعنی عورتوں کو گھروں میں روکے رکھنا مردوں کا حق ہے اور یہ حق اس لیے کہ نسب محفوظ رہے، اگر عورت ادھر ادھر بھٹکتی پھرے گی اور آنکھ مٹکاتی رہے گی تو احتمال ہے کہ وہ شوہر کے علاوہ کا بچہ جنے اور وہ شوہر کا کہلائے“۔ (۶۰۳/۳)

السنن الکبریٰ للبیہقی میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: عورت شوہر کے گھر سے باہر نہ نکلے مگر اس کی اجازت سے، اگر وہ باہر نکل گئی تو غضب و رحمت کے فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں تا آں کہ وہ گھر لوٹ آئے یا توبہ کر لے، کسی نے پوچھا: اگر مرد ظالم ہو؟ فرمایا: اگر چہ مرد ظالم ہو۔ (۱۴۷/۱۳)

غلط فہمی (۴): عورت کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلانا سنت ہے، لقمہ بنا بنا کر اس کے منہ میں رکھنا اس کا حقِ محبت ہے۔ نبی کریم ﷺ بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ہاتھ مبارک سے کھانا کھلایا کرتے تھے۔

ازالہ: حالاں کہ کسی حدیث میں نہیں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے لقمہ بنا کر اپنی کسی زوجہ محترمہ کو کھانا کھلایا ہو، ہاں یہ ہے کہ آپ اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے، برتن کے جس حصہ پر منہ رکھ کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مشروب نوش فرماتیں اسی جگہ اپنا دہنِ مبارک رکھ کر آپ بھی نوش فرماتے اور ہڈی کے جس حصہ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دانتوں سے گوشت تناول فرماتیں آپ بھی اسی حصہ سے تناول فرماتے۔ (صحیح مسلم)

اور یہ جو روایت ہے: "إِنَّ أَعْظَمَ الصَّدَقَةِ لُقْمَةٌ يَضَعُهَا الرَّجُلُ فِي فَمِ زَوْجَتِهِ"۔ ترجمہ: عظیم ترین صدقہ وہ لقمہ ہے جو مرد اپنی بیوی کے منہ میں رکھے۔

یہ حدیث اس لفظ سے ثابت نہیں ہے۔ مکمل روایت اس طرح ہے: فتحِ مکہ کے موقع پر یا حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سخت بیمار پڑے، نبی ﷺ ان کی عیادت کے لیے گئے، انھوں نے مسئلہ پوچھا کہ میں اپنے سارے مال کی وصیت کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، انھوں نے پوچھا: آدھے مال کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، انھوں نے پوچھا تہائی کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تہائی کی وصیت کر سکتے ہو اور یہ بھی بہت ہے، تم اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو کنگال چھوڑو، وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں اور جو بھی تم خرچ کرو وہ صدقہ ہے حتی کہ وہ لقمہ جو اٹھاؤ تم اپنی بیوی کی طرف۔ (بخاری: ۲۷۴۲)

ایک روایت میں ہے "جو بھی خرچہ تم کرتے ہو جس پر تم اللہ کی خوشنودی کے طلبگار ہوتے ہو اس پر تم کو اجر دیا جائے گا حتی کہ وہ لقمہ جو تم اپنی بیوی کے منہ میں رکھو"۔ (صحیح مسلم: ۱۶۲۸)

ایک روایت میں ہے: "جو تو نے اپنے آپ کو کھلایا وہ صدقہ ہے۔ جو تو نے اپنی اولاد کو کھلایا وہ صدقہ ہے، جو تو نے اپنی بیوی کو کھلایا ہے وہ صدقہ ہے اور جو تو نے اپنے خادم کو کھلایا وہ صدقہ ہے"۔ (مسند احمد: ۱۷۱۷۹)

ان سب روایتوں میں بیوی پر خرچ کرنے کا بیان ہے، جس کے لیے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی بھی مصنف حدیث نے ان حدیثوں کو "بَابُ مَا جَآءَ فِي عِشْرَةِ النِّسَآءِ" کے تحت ذکر نہیں کیا۔

غلط فہمی (۵): عورت وفا کی مورت ہے، مرد مخلص نہیں ہوتے ہیں اگر ان کو وفا

وخلوص سیکھنا ہو تو عورت سے سیکھیں۔

ازالہ: حالاں کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر آپ ان عورتوں میں سے کسی ایک پر زمانہ بھر احسان کرتے رہو، کوئی ایک ناگوار خاطر بات یہ آپ سے دیکھ لیں تو کہہ دیں گی کہ میں نے کبھی آپ سے کوئی خیر نہیں دیکھی۔(صحیح بخاری:۲۹) شوہر عورت کے مقابلہ میں زیادہ باوفا اور مخلص ہوتا ہے وہ عورت سے نہ مال چاہتا ہے نہ خزانہ، مرد عورت کو صرف عورت ہونے کی حیثیت سے قبول کرتا ہے اور پھر پوری زندگی اپنے پسینے کی کمائی اس پر خرچ کرتا ہے اور اپنی جوانی گھونٹ کر اسے پلادیتا ہے اور اپنی بیوی کے بارے میں کسی بھی طرح کے مشورے میں مخلص ہوتا ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے ”اگر دادی حواء نہ ہوتیں تو کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ خیانت نہ کرتی“۔ (صحیح بخاری:۳۳۳۰)

خیانت یعنی مشورہ میں غیر مخلص ہونا۔ کہتے ہیں: شیطان کی فریب دہی سے دادی متاثر ہوئیں اور انھوں نے دادا کو مشورہ دیا کہ وہ شجرِ ممنوعہ کھائیں تا کہ ہمیشہ جنت میں رہنے کا موقع مل جائے، یہ غیر مخلصانہ مشورہ تھا۔

ماں باپ کے اثرات اولاد پر پڑتے ہیں۔ جیسے: نَسِيَ آدَمُ فَنَسِيَ ذُرِّيَّتُهُ. آدم بھولے تو ان کی اولاد بھی بھولی، اسی طرح نصیحت میں غیر مخلص ہونا دادی سے وراثت میں ان کی بیٹیوں کو ملا ہے، اس لیے ہر شخص کو بیوی کے مشورہ پر آنکھ بند کر کے عمل نہیں کرنا چاہیے۔(تحفۃ القاری)

بیوی کو خوش کیسے رکھیں؟

کہا جاتا ہے کہ بیویوں کو خوش رکھنا بہت مشکل ہے، اگر کئی برس ان کے ساتھ کوئی حسنِ سلوک کرے پھر کوئی ناگوار چیز پہنچ جائے تو وہ کہہ پڑتی ہیں تجھ سے کوئی خیر مجھ کو تو نہیں پہنچی۔

یہ کہا گیا ہے کہ عورت پسلی کی مانند ٹیڑھی ہے، اس کے مزاج اور ٹیڑھے پن میں چولی دامن کا ساتھ ہے اس کے سرشت اور جبلت ہی میں کجی ہے، اس سے فائدہ اگر اٹھانا ہے تو اس کجی کے ساتھ اٹھاؤ، اس کے ٹیڑھے پن کو ختم کرنے کے درپے رہو گے تو اس سے ہاتھ دھو بیٹھوگے وہ اپنے گھر تم اپنے گھر، نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس کا ٹیڑھا پن باقی رہے گا اور تم اس کے استمتاع کو کھو چکے ہوں گے۔

ان سب کے باوجود گھر کا ماحول بھی پُرسکون اور خوش گوار رکھنا ہے، لڑائیاں نہ ہو، شور و غوغا نہ ہو، محترمہ کا مزاج مطمئن رہے، کسی بات پر الجھ کر بات کا بتنگڑ نہ بنادے۔

اس الجھن کے حل کے لیے آپ کے پاس کئی رائیں اور کئی راہیں ہوں گی کچھ با کار کچھ بے کار ہوں گی کچھ بجا تو کچھ بے جا۔

میں آپ لوگوں کے سامنے ایک تجویز رکھتا ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ یہ میری ذہنی اختراع کتنی سدید ہے اور کتنی غیر صحیح؟ کتنی کارگر ہے اور کتنی لائقِ صرفِ نظر؟ بہرحال آپ کے نظر نواز کرتا ہوں۔

جھوٹ اور دھوکا ایک بری بلا ہے، واجب الترک اور موجبِ سزا ہے، لیکن حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لَا يَصْلُحُ الْكَذِبُ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ: الرَّجُلُ يَكْذِبُ فِي الْحَرْبِ وَالْحَرْبُ خُدَعَةٌ، وَالرَّجُلُ يَكْذِبُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمَا، وَالرَّجُلُ يَكْذِبُ لِلْمَرْأَةِ لِيُرْضِيَهَا بِذَاكَ." [ترمذی:۱۹۳۵]

یعنی تین جگہ جھوٹ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جنگ کے موقع پر، دو لوگوں کے درمیان مصالحت کرانے کے لیے، اور کوئی شخص اپنی بیوی کو جھوٹ اس لیے کہے کہ وہ اس سے راضی ہو جائے۔

مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں کذب سے صریح جھوٹ مراد ہے یا توریہ؟ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صریح جھوٹ مراد ہے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے، مگر عام علماء صریح جھوٹ کو جائز نہیں کہتے، صرف توریہ کی اجازت دیتے ہیں اور حضرت گنگوہی قدس سرہ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر صریح جھوٹ کی اجازت دی دی جائے گی تو عوام کے دلوں سے جھوٹ کی نفرت ختم ہو جائے گی اور وہ جھوٹ بولنے پر جری ہو جائیں گے، اس لیے عام علماء نے ان حدیثوں میں کذب سے توریہ مراد لیا ہے۔

اور میری ناقص رائے یہ ہے کہ جب لفظ کذب صریح جھوٹ کے لئے خاص نہیں ہے بلکہ عام ہے بلکہ غلطی کرنے کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے، تو اگر دونوں حدیثوں میں کذب کو عام رکھا جائے تو کیا حرج ہے؟ مثلاً آدمی بیوی کو پٹانے کے لیے کہے: جب تنخواہ ملے گی سوٹ لاؤں گا، تو یہ ایک وعدہ ہے، اگر وہ اس وعدہ کو وفا نہ کرے تو اس کو جھوٹ کیسے

کہیں گے؟ یہی حال جنگ میں چال چلنے کا ہے اور یہی حال لوگوں کے درمیان مصالحت کرانے کے لیے کوئی خیر کی بات کہنے کا یا فریقِ مخالف کی طرف کوئی خیر کی بات منسوب کرنے کا ہے، مثلاً کہا کہ آپ آتش فشاں ہو رہے ہیں اور وہ تو آپ کے لیے دعا کرتا ہے اور اس کی مراد یہ ہو کہ وہ عام مسلمانوں کے لیے دعا کرتا ہے جس میں یہ بندہ بھی شامل ہے، پس اس میں غلط بات کیا ہوئی؟ پس اس حکمت سے جو حضرت گنگوہی قدس سرہ نے بیان فرمائی ہے بات وہی راجح معلوم ہوتی ہے جو دُرِّمختار میں ہے کہ صریح جھوٹ بولنا تو جائز نہیں مگر اس طرح بات کرنا کہ نہ سانپ بچے نہ لاٹھی ٹوٹے جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (تحفۃ الالمعی)

لہٰذا عورت کی تعریف کرکے اس کو اچھی امیدوں میں رکھنا چاہیے، اس کو اس احساس و خیال میں رکھنا کہ میں تیرا بڑا دیوانہ ہوں۔ تیرے بنا میرا کچھ نہیں ہوسکتا، ایک تو ہی تو میری محبوبہ ہے اور تعریفوں تمناؤں اور وعدوں میں اسے گم رکھے اگرچہ پورے نہ کرسکے، یہ احساس دلائے کہ تیرے لیے ایسا کروں گا ویسا کروں گا، بس ایک یہ کام ہو جائے، میرا مال میری جان تیری ہی تو ہے۔

اگر وعدوں کے پورا کرنے کی استطاعت ہو جائے تو بہت اچھی بات ہے ورنہ ایک شریف بیوی اپنے شوہر کو معذور سمجھے گی۔

شوہر کیسا ہو؟

وہ اوصاف جو ایک ہونے والے شوہر میں مطلوب ہوتے ہیں؛ قرآن و حدیث کی روشنی میں

(١) مرد نگاہ داشت کرنے والا ہو: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ [النساء:٣٤] مرد عورتوں پر نگراں ہیں۔

اس آیت میں قانونِ معاشرت کا ایک بنیادی اُصول بتایا گیا ہے کہ خاندانی نظام کی اساس اس امر پر ہوگی کہ مرد صدرِ خاندان ہوگا، اسی حیثیت سے اس کی ذمہ داریاں بھی ہوں گی اور اس کے اختیارات بھی ہوں گے، بہ ظاہر اس میں مرد کا اعزاز ہے لیکن درحقیقت یہ مرد کی ذمہ داریوں کا تذکرہ ہے۔ خاندان کی حفاظت، اس کی نگہداشت، اس کی تعلیم و تربیت اور اس کی ضروریات کی کفالت، گویا ساری ذمہ داریاں مرد کے سر ہوں گی۔

پھر مرد کو صدرِ خاندان بنانے کی قرآن نے دو وجہ بیان کی ہے: ایک وجہ طبعی ہے کہ مرد

کو اللہ تعالیٰ نے جسمانی قویٰ، دل و دماغ کی برتر صلاحیت اور قوتِ فیصلہ کے اعتبار سے عورتوں پر فضیلت دی ہے اور صدرِ خاندان وہی ہوسکتا ہے جو قوتِ جسمانی کے اعتبار سے خاندان کے تمام لوگوں کی حفاظت و صیانت پر قادر ہو اور اپنی قوتِ فیصلہ کے اعتبار سے اہم اُمور میں صحیح رائے قائم کرسکتا ہو۔

دوسری وجہ مالی ہے کہ تمام مالی ذمہ داریاں مرد کو ادا کرنی پڑتی ہیں۔موجودہ مغربی تصورِ مساوات کہ کوئی صدرِ خاندان نہ ہو اور مرد وعورت دونوں برابر ہوں۔ خاندانی نظام کو برباد کردینے والی فکر ہے اور سماج کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔مغرب کا موجودہ معاشرہ اس کی کھلی ہوئی مثال ہے۔ (آسان تفسیر)

ایک حدیث میں ہے کہ مرد اپنے گھرانے کا نگراں ہے اس کو اس کے اہلِ خانہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ (بخاری)

(۲) مرد نصیحت کرنے والا، اللہ کا ڈر دلانے والا اور خود اللہ سے ڈرنے والا ہو:

﴿ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ ﴾ [النساء:۳۴]

اور تم کو جن عورتوں سے نافرمانی کا اندیشہ ہو، ان کو سمجھاؤ (نصیحت کرو)۔

نصیحت کرو کا مطلب صاحبِ تفسیرِ جلالین نے اللہ کا خوف دلانے سے بیان کیا ہے: ”فَخَوِّفُوْهُنَّ اللّٰهَ“ ظاہر ہے جو اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہوگا وہی اللہ تعالیٰ سے صحیح طور پر ڈرا سکتا ہے۔

(۳) قرآن کریم کا علم رکھتا ہو: نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک عورت آئی اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اپنے آپ کو آپ کے لیے ہبہ کیا، پھر وہ دیر تک کھڑی رہی، ایک آدمی کھڑے ہوکر بولے اے اللہ کے رسول! اگر آپ کے لیے اس عورت کی کوئی حاجت نہیں ہے تو آپ میری شادی ان سے کر دیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے جس کو تم اس کو مہر میں دو؟ اس شخص نے کہا کہ میرے پاس اس تہبند کے علاوہ کچھ نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تلاش کرلو اگر چہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی ہو، ان صاحب نے تلاش کیا لیکن کوئی چیز ان کو مل نہ سکی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تمہیں قرآن میں سے کچھ یاد ہے؟ انھوں نے کہا ہاں! مجھے یہ سورتیں یاد ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ

تم کو قرآن کی جو مقدار یاد ہے میں نے تمہارا نکاح اس کے سبب سے اس عورت سے کر دیا۔
(بخاری:۵۱۳۲)

مطلب یہ ہے کہ تمہارے قرآن کی سورتوں کے حافظ ہونے کی وجہ سے میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا۔حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ یہ نصاب علم تھا مہر نہ تھا، اس کی نظیر عرف میں بھی ملتی ہے، کہا جاتا ہے کہ عالم ہونے کی بناء پر نکاح ہو رہا ہے، مطلب یہ ہے کہ عالم ہونا مہر نہیں بلکہ سبب نکاح ہے۔

(۴)مہر، نفقہ، سکنی اور ضروری اخراجات پورے کرنے والا ہو: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی جب کہ ہم نو جوان تھے اور کسی چیز پر قادر نہیں تھے یعنی خالی ہاتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تھے، پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نو جوانوں سے خطاب فرمایا کہ اے جوانو! گھر بسانے کو لازم پکڑو یعنی جو گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کر لے، اس لیے کہ نکاح نگاہ کو بہت زیادہ پست کرنے والا اور شرم گاہ کی بہت زیادہ حفاظت کرنے والا ہے اور جو گھر بسانے کی یعنی نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزوں کو لازم پکڑے اس لیے کہ روزہ اس کے لیے شہوت ٹوٹنے کا ذریعہ ہے۔ [بخاری:۵۰۶۶]

قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ﴾ [النساء:۲۴]

ترجمہ: اور ان کے سوا تمام عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔ بشرطیکہ تم (انھیں) اپنے مال کے ذریعہ نکاح میں لاتے ہوئے حاصل کرو۔

(۵)بیوی کو زیادہ مارنے والا اور ظلم و زیادتی کرنے والا نہ ہو نیز تنگ دست بھی نہ ہو:

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو طلاق ہوگئی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا تھا: ”جب تم حلال ہو جانا تو مجھ کو خبر کرنا،“ فاطمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں جب میں حلال ہوگئی یعنی عدت گذر گئی، تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابو جہم نے میرے پاس پیغامِ نکاح بھیجا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں تک ابو جہم کی بات ہے تو وہ اپنی لاٹھی اپنے کندھے سے نیچے نہیں رکھتے ہیں اور رہے معاویہ ابن ابوسفیان تو وہ غریب ہیں، ان کے پاس مال کچھ نہیں ہے، لہٰذا تم اسامہ بن زید سے نکاح کرلو۔ میں نے ان کو ناپسند کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسامہ

بن زید سے نکاح کرلو، چنانچہ میں نے اسامہ سے نکاح کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسی بھلائی مقدر فرمادی کہ مجھ پر رشک کیا جانے لگا۔ (مسلم شریف)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں میں سے کسی کو کبھی نہیں مارا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اللہ کی بندیوں کو مارو مت، چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم مارنے سے رکے رہے تا آں کہ وہ عورتیں جو مکہ مکرمہ میں مغلوب تھیں اب دلیر ہوگئیں، تو ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! عورتیں اپنے شوہروں پر دلیر ہوگئی ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مارنے کی اجازت عطا فرمادی۔ اس کے بعد بہت سی عورتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے گھر کا چکر لگایا اور اپنے شوہروں کی شکایت کی (کہ ہم کو مارا گیا ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیویوں کے پاس آ کر بہت سی عورتوں نے اپنے شوہروں کی شکایت کی۔ وہ (جو اپنی بیویوں کو مارتے ہیں) لوگ تم میں سے بہتر لوگ نہیں ہیں۔ (یہ شریفوں کا شیوہ نہیں ہے۔)

(۶) مرد دیکھنے میں خوب صورت ہو یا ٹھیک ٹھاک ہو: خوب صورتی مردوں میں بھی اہمیت رکھتی ہے بالخصوص ہمارے زمانے میں کم از کم مرد دیکھنے میں ٹھیک ٹھاک ہو۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں ثابت کے بارے میں ان کے دین و اخلاق سے متعلق کوئی عیب نہیں لگاتی ہوں لیکن میں اسلام میں کافرانہ فعل سے ڈرتی ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ وہ دمیم صورت (بد شکل) تھے بیوی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! اگر مجھے اللہ کا خوف نہ ہوتا تو جب وہ میرے پاس آئیں تو میں ان کے منہ پر تھوک دوں۔ (بخاری ومسلم)

(۷) مرد عمر میں عورت سے بہت زیادہ بڑا نہ ہو: دونوں ہم سفر ہم عمر و ہم طبقہ ہوں تو ایک دوسرے کو سمجھنا آسان ہوجاتا ہے۔ دونوں کے مزاج، پسند ناپسند میل کھاتے ہیں۔ دل بستگی و دل لگی، خوش طبعی و خوش مزاجی خوب رنگ لاتی ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کا پیغام بھیجا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے شادی کا پیغام بھیجا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دی۔ (نسائی)

بوقتِ نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں ۲/ قول ہیں، ایک قول پندرہ سال اور ساڑھے پانچ مہینے اور دوسرا قول ۱۹/ سال اور ڈیڑھ مہینے کا ہے، پہلا قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے کیوں کہ علامہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو لکھا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کس سن میں مشرف بااسلام ہوئے تھے، ایک قول یہ ہے کہ آٹھ سال کی عمر میں اور دوسرا قول یہ ہے کہ ۱۰/ سال کی عمر میں مشرف بااسلام ہوئے تھے، پہلے قول کی بناء پر نکاح کے وقت عمر ۲۱/ سال اور پانچ مہینہ ہوگی اور دوسرے قول کے مطابق ۲۴/ سال اور ڈیڑھ مہینہ ہوگی۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۳/ ۳۶۹)

(۸) دین دار اور با اخلاق ہو: راہِ زندگی کو خوش گواری کے ساتھ گزارنے کے لیے خوش اخلاقی اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کے لیے دینداری ایک ضروری امر ہے، اگر دینداری اور خوش اخلاقی نہیں ہے تو پیار و محبت بغض و عداوت میں بدل جاتا ہے۔ چاہے مرد خوب صورت ترین اور مال دار ترین ہی کیوں نہ ہو۔ دین و اخلاقِ حسنہ کے بغیر ساری زندگی کا ساتھ گزارنا دشوار ہوجاتا ہے، اسی لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تمہارے پاس ایسا شخص پیغام نکاح بھیجے جس کے دین و اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس کے ساتھ لڑکی کا نکاح کردو، اگر تم ایسا نہیں کروگے تو زمین میں بڑا فساد پھیلے گا۔ (سنن ترمذی)

یعنی مال دار، خوب صورت رشتہ کے انتظار میں یا لڑکی کی دنیوی یا غیر ضروری تعلیم کی تکمیل کے انتظار میں بیٹھے رہنے سے عمومی ماحول بن بیاہوں کا ہو جائے گا اور اپنی ضرورت کی تکمیل کے لیے زنا کا راستہ اختیار کیا جانے لگے گا، جس کا مشاہدہ ہم اپنے زمانے میں کر رہے ہیں۔

(۹) لڑکا کفو اور ہم پلّہ ہو: نکاح میں کفو کا اعتبار کیا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: خواتین کی شادی صرف ان کے سر پرست کریں اور ان کی شادی صرف ان کے ہم پلہ لوگوں سے کی جائے۔ (دار قطنی)

عام طور پر مصالحِ نکاح ہم پلہ لوگوں کے درمیان ٹھیک رہتے ہیں، کسی بڑے خاندان کی عورت کسی کمتر حیثیت رکھنے والے شخص کے پہلو میں لیٹنے (یعنی اس کی بیوی بننے) سے انکار کرسکتی ہے۔

اس لیے کفو کا اعتبار کیا جائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ

قول بھی نقل کیا ہے: میں شریف گھرانوں کی عورتوں کے نکاح کفو کے سوا کہیں اور کرنے نہیں دوں گا۔ (لَأَمْنَعَنَّ فُرُوْجَ ذَوَاتِ الْأَحْسَابِ إِلَّامِنَ الْإِكْفَاءِ.)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے نطفوں کے لیے (اچھی عورتوں کا) انتخاب کرو اور کفو والی عورتوں سے نکاح کرو اور کفو والے مردوں کے نکاح میں دو۔ (سنن ابن ماجہ)

کفاءت عورت کا حق ہے مرد کا نہیں: کفاءت (ہم پلّہ ہونا) کا حاصل یہ ہے کہ چند مخصوص اوصاف حسنہ میں مرد کا عورت کے برابر ہونا اور عورت کا مرد کے برابر ہونا یہ ضروری نہیں ہے کیوں کہ عدم کفاءت کی صورت میں عار جو لاحق ہوتا ہے وہ عورت کو لاحق ہوتا ہے مرد کو کسی صورت میں لاحق نہیں ہوتا اس لیے کہ عورت شوہر کی ماتحتی میں ہوتی ہے اور اعلیٰ کا ادنی کے ماتحت ہونا یہ موجب عار ہے نہ کہ اس کا عکس، لہٰذا عورت کا مرد سے کم درجہ ہونا مضر نہیں ہے۔ (دُرِّ منضود)

اگر لڑکا اور لڑکی نسب، مال، دِین داری، شرافت اور پیشے میں ایک دوسرے کے ہم پلہ ہوں تو یہ دونوں ایک دوسرے کے "کفو" قرار پائیں گے۔

اخیر میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب اسلامی شادی سے ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے جس میں انھوں نے وہ اوصاف بیان کیے ہیں جو ایک داماد میں ہونے چاہیے۔

داماد بنانے کے لیے صرف چند چیزوں کو دیکھ لیا جائے:

(۱) اسلامی عقائد میں شک وشبہ نہ ہو یا تمسخر و استہزاء سے پیش نہ آئے۔

(۲) طبیعت میں صلاحیت ہو کہ اہل علم اور بزرگوں کا ادب کرتا ہو۔

(۳) نرم خو ہو (یعنی مزاج میں نرمی ہو)۔

(۴) اپنے متعلقین کے حقوق ادا کرنے کی اس سے توقع ہو۔

(۵) اور بقدر ضرورت مالی گنجائش ہونا تو ضروری ہی ہے۔ (اسلامی شادی: ۱۲۸)

مرد میں حسن و جمال

نبی آخر الزماں ﷺ کا حسن بے مثال ہے معیار: نبی کریم ﷺ باطنی کمالات کے ساتھ ساتھ ظاہری محاسن کے بھی جامع تھے، اگر چہ ان محاسن کا کماحقہ ادراک عام لوگوں کو نہیں ہوتا تھا لیکن کائنات میں آپ ﷺ سے زیادہ حسن کا مالک کوئی بھی نہیں تھا۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ”اگر آپ ﷺ کے تمام محاسن ظاہر ہو جاتے تو صحابہ آپ ﷺ کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے۔“

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ہر شخص یہ اعتقاد رکھنے کا مکلّف ہے کہ آپ ﷺ کا جسم مبارک جن اوصاف کے ساتھ متصف ہے کوئی دوسرا ان اوصاف میں آپ جیسا نہیں ہوسکتا۔“ یہ محض اعتقادی چیز نہیں ہے۔ سیر، احادیث اور تاریخ کی کتابیں اس سے لبریز ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کمالاتِ باطنیہ کے ساتھ جمال ظاہری بھی علی وجہ الاتم آپ کو عطا فرمایا تھا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے صرف وہی جمالِ با کمال اور حسنِ بے مثال بیان کیا ہے جو ان کو نظر آیا، جب کہ آپ کا حقیقی حسن اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہے حتی کہ یہاں پر ہر مبالغہ حقیقت سے کم تر ہے، کیوں کہ آپ کے اوصافِ جمیلہ سے الفاظ عاجز ہیں، خود صحابہ رضی اللہ عنہم اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں۔

یہی وہ بات ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

لَوَاحِي زُلَيْخَا لَوْ رَأَيْنَ جَبِيْنَهُ لَأَثَرْنَ بِقَطْعِ الْقُلُوْبِ عَلَى الْيَدِ.

ترجمہ: اگر حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت کی وجہ سے زلیخا کو ملامت کرنے والی عورتیں میرے محبوب کی جبینِ حسین کو دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کی بجائے دل کو کاٹ دینے کو ترجیح دیتیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں:

لَوْ كُنْتَ مِنْ شَيْءٍ سِوٰى بَشَرٍ كُنْتَ الْمُضِيْءَ لِلَيْلَةِ الْبَدْرِ.

یعنی آپ بشر کے علاوہ اور کوئی چیز ہوتے تو چودھویں رات کے چمکتے چاند ہوتے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا، وَأَحْسَنَهُ خُلْقًا. یعنی آپ ﷺ لوگوں میں حسین ترین چہرے مہرے والے اور عمدہ ترین اخلاق والے تھے۔ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَحْسَنُ النَّاسِ وَأَجْوَدُ النَّاسِ وَأَشْجَعُ النَّاسِ. یعنی آپ ﷺ تمام لوگوں سے بہت حسین تھے اور تمام لوگوں سے زیادہ سخی بھی تھے اور تمام لوگوں سے زیادہ بہادر تھے۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مَا رَأَيْتُ أَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ كَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِي فِي جَبْهَتِهِ. یعنی "میں نے آپ سے بڑھ کر کسی خوبصورت کو نہیں دیکھا، ایسے لگتا تھا جیسے آپ کی پیشانی میں سورج چل رہا ہو"۔ (شمائل ترمذی)

یعنی آپ کے چہرے کا حسن، چمک اور روشنی سورج کی طرح تھی، اس لیے آپ کے رُخِ انور کو دیکھنے کی کسی میں تاب نہیں تھی۔ طبرانی میں ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اگر تم آپ ﷺ کو دیکھ لیتے تو یوں محسوس کرتے گویا کہ تم سورج کو طلوع ہوتا دیکھ رہے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جَمِيلُ ذَوَائِرِ الْوَجْهِ. (شمائل)

یعنی آپ کے چہرہ مبارک کے تمام پہلو نقش و نگار، خدو خال نہایت خوبصورت تھے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ چاند کی چودھویں رات کو نبی کریم ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ اس وقت سرخ جوڑا زیب تن کئے ہوئے تھے میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی آپ ﷺ کو، پس خدا کی قسم نبی کریم ﷺ میری نظر میں چاند سے زیادہ حسین دکھائی دے رہے تھے۔ (شمائل)

چاند سے تشبیہ دینا یہ کہاں انصاف ہے چاند پر ہیں جھائیاں مدنی کا چہرہ صاف ہے

ایک روایت میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مَا رَأَيْتُ شَيْئًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ. کہ میں نے آپ سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز نہیں دیکھی۔

یہ لفظ بول کر انسان تو کجا ہر چیز یعنی شمس و قمر، ستارے اور کہکشاں وغیرہ کی نفی کر دی گئی ہے کہ میں نے کبھی بھی کوئی چیز آپ سے زیادہ حسین نہیں دیکھی، محض عقیدت کی بناء پر نہیں کہا گیا بلکہ نفس الامر ہی ایسا ہے اور یہ عقیدہ رکھنا آج بھی جزوِ ایمان ہے۔

اے کہ ترا جمال ہے زینتِ محفلِ حیات دونوں جہاں کی رونقیں ہیں ترے جمال کی زکات

حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے جمال با کمال کو بیان کر کے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ

جیسا (حسین) نہ ان سے پہلے دیکھا نہ ان کے بعد دیکھا ہے۔

ایک دوسری جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی واردات قلبی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: یَقُوْلُ نَاعِتُهُ: لَمْ أَرْ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ. آپ کی صفت بیان کرنے والا بالآخر یہ کہنے پر مجبور ہوجاتا کہ میں نے آپ سے قبل اور بعد آپ جیسا کوئی انسان نہیں دیکھا۔ (شمائل)

حقیقت الامر یہی بات ہے کہ آپ کا مثل کائنات میں کوئی بھی نہ ہوا اور نہ ہو گا۔ نہ پیدائش میں، نہ اخلاق میں اور نہ مقام و مرتبہ میں، آپ نے تمام فضائلِ دینیہ اور دنیویہ کو اپنے احاطے میں لے لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہایت کامل خلقت عطا فرمائی کہ جسم مبارک کے اعضاء نہایت تام، متناسب اور معتدل تھے، آپ کا قد مبارک بھی نہایت موزوں تھا، آپ کا رنگ مبارک بھی نہایت صاف، چمکدار، روشن اور سفید سرخی و گندمی مائل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فہم و فراست اور عقل و دانش میں بھی کمال عطا فرمایا تھا۔ آپ کی گفتگو اور کلام بھی نہایت صاف اور کمالِ فصاحت و بلاغت سے معجزانہ طور پر آراستہ تھی، اسی طرح خاندانی عز و شرف اور حسب و نسب کی برتری میں، اسی طرح کھانے پینے، پہننے، رہنے سہنے وغیرہ تمام خصائل میں آپ بے مثل و بے مثال تھے۔

اسی طرح تمام اخلاقِ عالیہ اور آدابِ شرعیہ میں آپ کی مثال ناممکن ہے، چنانچہ حلم و برداشت، صبر و شکر، عدل و احسان، عفو و درگذر، جود و سخا، شرم و حیاء، شجاعت و مردانگی، وقار و سکون، رحمت و رافت جیسے اوصافِ عالیہ و کاملہ آپ کی ذاتِ بابرکات میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ آپ کی توصیف کو کماحقہ احاطۂ تحریر میں لانا دشوار ہے۔

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار　　گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انہی حقیقی اوصافِ عالیہ و کاملہ کے پیشِ نظر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ کے متعلق کہا تھا:

وَأَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي　　وَأَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ　　كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جیسا خوبصورت میری آنکھ نے کبھی دیکھا تک نہیں اور آپ جیسا

حسین وجمیل آج تک عورتیں جن ہی نہیں سکیں۔ آپ ہر عیب سے پاک پیدا ہوئے ہیں گویا کہ جس طرح آپ چاہتے تھے ویسے ہی پیدا ہوئے ہوں۔

آپ ﷺ جاذبِ نظر، باعظمت، صاف شفاف ہونے میں اور چمک، نرمی اور ملائمت میں ایسے تھے گویا آپ کو چاندی سے ڈھالا گیا ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَة قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ أَبْيَضَ كَأَنَّمَا صِيغَ مِنْ فِضَّةٍ.(شمائل)
یعنی آپ ﷺ گورے تھے گویا کہ آپ کو چاندی سے ڈھالا گیا ہو۔

ابوطفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ کو دیکھنے والوں میں اب روئے زمین پر میرے سوا کوئی نہیں رہا۔ سعید جریری نے ان سے کہا کہ نبی کریم ﷺ کا کچھ حلیہ میرے لیے بیان فرمائیں، تو انھوں نے فرمایا: كَانَ أَبْيَضَ مَلِيْحاً مُقْصِداً. (نبیٔ کریم ﷺ سفید رنگت والے حسین اور معتدل جسم والے تھے۔)

آپ ﷺ تین الفاظ میں خوبصورتی بیان کر کے کمال کر دیا: یعنی آپ سفید (گورے) تھے لیکن چونے کی طرح سفید نہیں جو دیکھنے میں نظر کو بھاتا نہیں ہے بلکہ (جیسا کہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے) آپ کا رنگ سفید مائل بہ سرخ تھا اور اس میں روکھا پن نہیں تھا بلکہ روشن چمکدار صاف شفاف تھا، سمجھنے کے لیے کہہ سکتے ہیں "ہلکا پنک" جس میں تراوٹ و ملاحت ہو۔

ملیح کا معنی حسین ہی کے ہوتے ہیں لیکن ایسا حسن جس میں اٹریکشن اور نمکینیت ہو بار بار دیکھنے کو جی کرے۔

نمایاں حسنِ یوسف میں سفیدی تھی، صباحت تھی　　یہاں سرخی تھی، گلگوں رنگ تھا جس میں ملاحت تھی

وجاہت بھی ملاحت بھی جمالِ دلبرانہ بھی　　جمالِ حسن بھی اور عظمتِ پیغمبرانہ بھی

تیسرا لفظ فرمایا: آپ معتدل الخلقت میانہ قد کاٹھ والے تھے۔

یہ حسن کی حقیقت بیانی میں نہایت ہی جامع لفظ ہے۔ در جہاں ملکہ حسن کا خطاب جو دیا جاتا ہے وہ اسی پر پرکھ کر دیا جاتا ہے یہی کسوٹی اور معیار ہے، حتی کے کان اور ناک کے درمیان کے فاصلہ کو بھی ناپا جاتا ہے۔ انگلیاں، ان کے پوروے اور کلائی کی لمبائی، بازوؤں کی موٹائی اور دونوں مونڈھوں کے درمیان کی لمبائی کو بھی دیکھا جاتا ہے کہ ہر عضو اپنی جگہ پر فٹ ہے یا نہیں۔

آپ کے حسن میں ایسا اعتدال اور کمال و جمال تھا کہ اس میں کسی جگہ بھی کوئی افراط و تفریط نہیں تھی۔ آپ نہایت موزوں متناسب متوازن قد کاٹھ کے مالک تھے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ماموں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب تھے اور بچپن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں گزرا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی اس عشق و محبت کی وجہ سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیادہ تعریف کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت و سیرت بیان کرنے میں کامل مہارت رکھتے تھے۔)

مُعْتَدِل الْخَلْقِ، بَادِن، مُتَمَاسِك، سَوَاء الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ، عَرِيْض الصَّدْرِ، بُعَيْدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اعضاء معتدل اور پُر گوشت تھے، بدنِ مبارک گھٹا ہوا تھا، پیٹ اور سینہ مبارک برابر تھے، سینہ مبارک کشادہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان قدرے فاصلہ تھا۔

یہی اعتدال فی الخلق، تناسبِ اعضاء، توازنِ قد و قامت اور چہرے کے خد و خال اور رنگت میں اقتصاد ہی جمال میں کمال اور حسنِ بے مثال ہے۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ ہی کی زبانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ شریفہ پیشِ خدمت ہے: آپ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات میں عظیم تھے اور دوسروں کے نزدیک بھی عظیم تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا، آپ درمیانہ قد سے قدرے لمبے اور دراز قد سے قدرے پست تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک معتدل بڑا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے، اکثر سر کے بالوں میں خود مانگ نکل آتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مانگ رہنے دیتے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود مانگ نکالنے کا اہتمام نہ فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کانوں کی لو سے تجاوز کر جاتے تھے جب کہ آپ بڑھا لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ مبارک سرخ و سفید تھا اور پیشانی مبارک کشادہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابرو مبارک باریک، خم دار اور گنجان تھے اور دونوں ابرو جدا جدا تھے، ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے دونوں ابروؤں کے درمیان ایک باریک رَگ تھی جو غصہ کے وقت اُبھر آتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناک مبارک اونچی بلندی مائل تھی اور اس پر ایک چمک اور نور تھا ابتداءً دیکھنے والا گمان کرتا

کہ آپ ﷺ کی ناک اونچی ہے، آپ ﷺ کی داڑھی مبارک گھنی تھی، آپ ﷺ کے رخسار مبارک ہموار تھے۔ آپ ﷺ کا دہن مبارک کشادہ تھا، سامنے کے دانتوں میں قدرے کشادگی تھی، سینے سے ناف تک باریک بالوں کی لکیر تھی آپ ﷺ کی گردن مبارک مورت کی گردن جیسی تھی جو صفائی میں چاندی جیسی تھی، آپ ﷺ کے تمام اعضاء معتدل اور پُر گوشت تھے اور بدن مبارک گھٹا ہوا تھا، پیٹ اور سینہ مبارک برابر تھے، سینہ مبارک کشادہ تھا۔ آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان قدرے فاصلہ تھا۔ آپ ﷺ کے اعضاء کے جوڑوں کی ہڈیاں بھی بڑی اور مضبوط تھیں، جسم مبارک کا لباس سے خالی حصہ بڑا روشن اور چمکدار تھا، سینہ اور ناف کو بالوں کی ایک باریک لکیر ملاتی تھی، سینہ کے اوپر حصہ میں بال تھے۔ آپ ﷺ کی دونوں کلائیاں دراز تھیں، دونوں پاؤں کے تلوے گہرے تھے، دونوں قدم مبارک ہموار تھے، پانی ان کی وجہ سے بہہ جاتا تھا، جب آپ چلتے تو قوت سے قدم اٹھاتے اور جب قدم رکھتے تو جھک کر چلتے، قدم زمین پر آہستہ سے رکھتے، آپ ﷺ کی چال مبارک تیز تھی، آپ ﷺ چلتے تو کشادہ قدم رکھتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ ڈھلان سے اتر رہے ہیں۔ جب آپ کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پورے بدن کے ساتھ توجہ فرماتے۔ آپ ﷺ کی نگاہ مبارک نیچے رہتی تھی اور بنسبت آسمان کے زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی۔ آپ عموماً گوشۂ چشم سے دیکھتے اور چلنے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو آگے رکھتے تھے، جس سے ملتے تھے سلام کرنے میں خود ہی پہل فرماتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

مَضَتِ الدُھورُ وَما أَتَینَ بِمِثلِهِ   وَلَقَد أَتی فَعَجَزنَ عَن نُظَرائِهِ

شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ کا حلیہ مبارک کمالِ حسن کو پہنچا ہوا تھا جس طرح جمال معنوی میں آپ انتہائی با کمال تھے جمالِ ظاہری میں بھی آپ لا ثانی تھے۔

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری   آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

نبیٔ کریم ﷺ کے حلیہ مبارک کا مختصر خاکہ

نبیٔ اکرم ﷺ کے اوصافِ حمیدہ اور آپ ﷺ کے جمال و کمال کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور جس نے بھی آپ ﷺ کے حسن و جمال کو بیان کیا اس نے تمثیل کا سہارا لے

کر آپ ﷺ کے جمال و کمال کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی ہمت و وسعت کے موافق آپ ﷺ کے حلیہ مبارک اور حسن و جمال کو بیان کیا ہے جیسا کہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔اب ہم نبیٔ آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کے حلیہ مبارک اور حسن بے مثال و جمال بے نظیر کو احادیث مبارکہ اور صحابہ کرام کے اقوال کی روشنی میں بیان کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

آپ بہت لمبے تھے نہ پست قد تھے ،آپ میانہ قد تھے بلکہ آپ کا قد لمبائی کی طرف مائل تھا، جب آپ صحابہ کرام کے ساتھ چلتے تھے تو بطور معجزہ سب سے دراز قد نظر آتے تھے۔ آپ مضبوطی سے قدم اٹھاکر آگے کی طرف جھک کر تیز قدموں سے چلتے اور آپ کی چال میں نرمی بھی ہوتی، جب آپ آگے قدم رکھتے تو نرمی سے رکھتے گویا آپ کسی ڈھلان سے اتر رہے ہوں۔یہ شجاعت، ہیبت و وقار اور تواضع کی رفتار ہے۔

نبیٔ اکرم ﷺ کی رنگت سفیدی اور سرخی کا حسین امتزاج تھی، جیسے سفید رنگ میں سرخی کے چند قطرے ملا دیے گئے ہوں۔ دنیا میں سب سے خوب صورت رنگ یہی (سفید مائل بسرخ) سمجھا جاتا ہے اور آپ کی رنگت میں چمک اور تراوٹ تھی۔ بدن کا جو حصہ عموماً کپڑے سے خالی ہوتا ہے جیسے چہرا، ہاتھ، گردن وغیرہ وہ منوّر اور روشن تھے۔

آپ کی گردن اعتدال کے ساتھ لمبی قدرے باریک اور ایسی حسین وجمیل تھی جیسا کہ مورتی کی گردن صاف تراشی ہوئی ہوتی ہے اور رنگت چاندی کی طرح پرنور تھی۔

سراقہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”آپ کی پنڈلی گویا کہ ایک روشن چنگاری ہے“۔محرش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”میں نے آپ کی پشت مبارک کو دیکھا تو ایسا لگا جیسا چاندی کی ڈلی ہو۔“

آپ کے بال نہ بالکل گھنگریالے و پیچدار تھے نہ بالکل سیدھے کنگھی کیے ہوئے بلکہ ان میں قدرے شکستگی تھی نیم گھنگریالے اور ہلکے پیچدار تھے، آپ کے بال نہایت سیاہ تھے آخرعمر میں چند بالوں کے علاوہ جن کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں تھی سفید نہ تھے وہ سفید بال بھی تیل لگانے سے چھپ جایا کرتے۔کچھ سفید بال داڑھی میں تھے کچھ مانگ نکالنے کی جگہ پر، بالوں کی لمبائی کبھی کانوں تک کبھی گردن تک اور کبھی مونڈھے تک پہنچتی، تمام بال یکساں کٹے ہوئے ہوتے ،آپ کے بال اس حد تک نہیں پہنچے تھے کہ آپ کو مہندی لگانے کی ضرورت محسوس ہوتی

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ آپ نے گاہے بگاہے مہندی لگائی ہے یا سر درد کی وجہ سے مہندی کا پھایا لگایا ہے۔آپ کی داڑھی مبارک گھنی اور گنجان تھی اور بالوں کا رنگ سیاہ تھا۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”آپ کا چہرہ مبارک ایسا جیسے مصحف کا ورق (پر نور، جاذبِ نظر ہوتا ہے) آپ کا چہرہ ستواں اور کتابی تھا کچھ گولائی لیے ہوئے تھا چہرے پر زیادہ گوشت نہیں تھا، چاند جیسا روشن چمکدار۔“

آپ کے چہرے کو کسی نے چاند سے تشبیہ دی ہے کسی نے سورج سے۔ شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”یہ تشبیہات سب تقریبی ہیں، ورنہ ایک چاند کیا ہزار چاند میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نور نہیں ہوسکتا۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے کہ ”اگر تجھے ممدوح کو عیب ہی لگانا ہے تو اسے چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دے دے اس کے عیب لگانے کے لیے یہی کافی ہے۔“

آپ کے چہرے کے نقش و نگار نہایت حسین پر کشش موزوں و متناسب تھے۔ پیشانی شفاف کشادہ تھی۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کی اس کیفیت کو ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے:

مَتٰی یَبْدُ فِی الدَّاجِ الْبَھِیْمِ جَبِیْنُہ　　　یَلُحْ مِثْلَ مِصْبَاحِ الدُّجی الْمُتَوَقَّدِ

”رات کی تاریکی میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک اس طرح چمکتی تھی جیسے اندھیری رات میں چراغ۔“

آنکھیں بڑی اور سُرمگیں تھیں، آنکھوں کی سفیدی نہایت سفید اور آنکھوں کی سیاہی نہایت سیاہ تھی، آنکھوں کی سفیدی میں سرخ رنگ کے ڈورے پڑے ہوئے تھے جو آنکھوں کی انتہائی خوبصورتی میں چار چاند لگاتے تھے، آپ کی پلکیں دراز اور ابرو سیاہ گھنے باریک خمدار تھے، دونوں ابرو جدا جدا تھے، جو آپس میں ملتے نہیں تھے ان کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت اُبھر جاتی تھی۔

آپ کا دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا جو مردوں میں خوب صورت اور فصاحت کی علامت سمجھا جاتا ہے، آپ کا منہ تنگ نہ تھا بلکہ موزونیت کے ساتھ کشادہ تھا۔

آپ کے دانت مبارک باریک اور چمک دار تھے اور سامنے والے دانتوں میں ذرا فصل

تھا۔ جب بات کرتے تھے تو اس میں سے نور نکلتا ہوا محسوس ہوتا تھا، ان دانتوں پر آپ کو مسواک کرنا زیادہ پسند تھا، جب آپ مسکراتے تو آپ کے دانت اولوں کی طرح سفید شفاف معلوم ہوتے۔

آپ کی ناک مبارک بلندی مائل تھی ناک کا بانسہ لمبا باریک اور درمیان سے مُحدَّب (اُبھرا ہوا) تھا، اس پر ایک نور تھا، پہلی دفعہ دیکھنے والا آپ کو بہت بلند ناک والا سمجھتا حالاں کہ ناک مبارک بہت بلند نہیں تھی بلکہ حسن و چمک کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی تھی۔ رخسار کشادہ نرم ہموار تھے، نہ بہت زیادہ اُبھرے ہوئے تھے اور نہ بہت زیادہ دھنسے ہوئے تھے بلکہ اعتدال اور توازن کا دل کش نمونہ تھے، ان میں ایسی سرخی مائل سفیدی تھی کہ گلاب کو پسینہ آجائے، ایسی چمک تھی کہ چاند بھی شرما جائے، ایسی گدازی تھی کہ شبنم بھی پانی بھرتی دکھائی دے اور ایسی نرماہٹ تھی کہ کلیوں کو بھی حجاب آئے۔

آپ کی جسمانی ساخت اور بدن کی قد کاٹھی نہایت موزوں متناسب معتدل اور مضبوط تھی۔ آپ گٹھے ہوئے بدن کے چست چابک انسان تھے۔ آپ کے اعضاء فربہ ہونے کے باوجود بڑے قوت والے تھے اور ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے تھے، گوشت بھی ہڈیوں سے پیوست تھا، جسم میں ڈھیلا پن نہیں تھا کہ لٹکتا ہوا نظر آئے۔

نبیٔ اکرم ﷺ کی جسمانی ساخت چوڑائی کی طرف مائل تھی۔ اسی مناسبت سے آپ ﷺ کا سر مبارک بھی اعتدال کے ساتھ قدرے بڑا تھا، جو آپ ﷺ کی جسمانی ساخت کے عین مطابق تھا۔ یہ قوی اور کامل ترین دماغ کی علامت ہے جو آپ ﷺ کو دوسرے انسانوں سے ممتاز کرتی ہے۔ یہ وصف موجود ہو تو فکری نظری اور دماغی قوتیں صحیح و درست ہوتی ہیں۔

آپ کے کندھوں کے درمیان چوڑائی کچھ زیادہ تھی جو مردانگی کی علامت ہے۔

آپ کی انگلیاں، ہتھیلیاں اور قدمین مبارک پُرگوشت مضبوط اور گداز تھے، یہ گرفت کی مضبوطی کی علامت ہے۔

اعضائے مبارک کے جوڑ کی ہڈیاں اور ہڈیوں کے سرے ذرا بڑے اور مضبوط تھے۔ یہ جسمانی قوت صحت مندی شجاعت اور نجابت کی علامت ہے۔

جسم پر غیر ضروری بال نہیں تھے، یعنی بازو اور پنڈلیوں اور خاص خاص حصوں کے علاوہ غیر ضروری بال نہیں تھے۔

سینہ اقدس فراخ و کشادہ اور آئینہ کی طرح سخت اور ہموار تھا۔ سینے کا چوڑا ہونا مردانہ حسن کے علاوہ تحمل اور بردباری کی علامت بھی ہے۔

سینہ پر بھی زیادہ بال نہ تھے صرف اوپر کے ابھرے ہوئے حصہ پر تھوڑے تھوڑے بال تھے لیکن سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لمبی دھاری تھی، شکم اور صدر ایک لیول میں تھے نہ پیٹ باہر کو تھا جو بیماری یا سبب بیماری ہے، نہ ہی سینہ باہر اور پیٹ اندر کو۔

آپ ﷺ کی دونوں کلائیاں دراز تھیں، دونوں پاؤں کے تلوے گہرے تھے، ایڑیاں گوشت سے خالی تھیں، دونوں قدم مبارک ہموار تھے، پاؤں میں دراڑیں نہ ہونے کی وجہ سے پانی بہہ جاتا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہت سی ظاہری اور معنوی صفات آپ ﷺ کو عطا کی گئی تھیں، جسمانی صورت اور حلیہ میں بھی آپ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ مشابہ تھے۔ ایک جگہ آپ فرماتے ہیں کہ "أَنَا أَشْبَهُ وُلْدِ إِبْرَاهِيْمَ." میں ابراہیم کی اولاد میں ان کے ساتھ سب زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔

نبئ اکرم ﷺ کے اوصاف بیانی، مدح اور حسن و جمال کی منظر کَشی ایک ایسا عنوان ہے جس کو احاطہ تحریر میں لانا دشوار ہے فکر لگام ڈال دیتی ہے، تشبیہیں پھیکی پڑ جاتی ہیں، قلم تھک جاتا اور سیاہی ماند پڑ جاتی ہے۔

اے چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتانِ آزری　　ہر چند وصفت می کنم درحسن زاں بالاتری
آفاقہا گردیدہ ام مہر بِتاں ورزیدہ ام　　بسیارخوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

تھکی ہے فکر رسا اور مدح باقی ہے　　قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا اور مدح باقی ہے　　ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے

اللّٰھُمَّ صل وسلم وبارك على سيدنا محمد و آله بقدر حسنه و جماله.

نوٹ: اس تحریر کے تمام اقتباسات شمائلِ ترمذی اور اس کی چند اردو شرحوں سے لیے گئے ہیں۔

شوہر کے حقوق

عورت کے ذمہ کیا ضروری ہے قرآن و حدیث کی روشنی میں

(۱) تعظیم کرنا:

نبیٔ کریم ﷺ کا فرمان ہے: اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں، اس حق کی بنا پر جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر ان کا مقرر کیا ہے۔ (ابوداؤد:۲۱۴۰)

یہ مردوں کا سب سے پہلا حق ہے جس سے وہ عموماً محروم رہتے ہیں، اس سے زیادہ تعظیم پر دلالت کرنے والے کلمات اور کیا ہوسکتے ہیں؟ اگرچہ شوہر کی بنسبت والدین کی تعظیم زیادہ ہے لیکن چوں کہ عورتیں عموماً مردوں کو اپنے مساوی خیال کرکے اس کی تعظیم بجا آوری نہیں کرتیں، اس وجہ سے مردوں کے بارے میں خصوصاً یہ ارشادِ گرامی فرمایا۔

(۲) اپنے آپ کو شوہر کا ماتحت جاننا:

اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ [النساء:۳۴]

مرد عورتوں پر نگراں ہیں۔ اس لیے کہ اللہ ہی نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور اس لیے کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ پس! نیک عورتیں وہ ہیں جو فرمانبردار ہیں اور اللہ کی حفاظت سے مرد کی عدم موجودگی میں (اپنی عزت وآبرو اور مال و اولاد کی) حفاظت کرتی ہیں۔

حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مرد وزن جب تک رشتہ ازدواج میں منسلک نہیں ہوتے آزاد ہوتے ہیں۔ دونوں اپنی مرضی کے مالک ہوتے ہیں۔ مگر جب مناکحت ہوگئی تو مرد صدرِ خاندان ہوجاتا ہے۔ اس کو بالادستی حاصل ہوجاتی ہے، اور عورت زیر دست ہوجاتی ہے۔ لہٰذا مرد جو جائز بات کہے، عورت اس کو سنے اور مانے۔ اسی صورت میں گھر جنت کا نمونہ ہوگا اور اگر عورت مرد کی جائز بات بھی نہ مانے تو وہ ایک دوسرے سے دور ہوجائیں گے اور خانگی زندگی کا مزہ کرکرا ہوجائے گا۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ مساوات مرد وزن اسلام میں بھی ہے اور غیروں کا بھی نعرہ ہے۔ مگر دونوں کی تعریف مختلف ہے۔ اسلامی مساوات: حقوق اور ذمہ داریوں کے تبادلہ کا نام ہے اور ایک فریق کے حقوق دوسرے فریق کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔شوہر کا بیوی پر حق یہ ہے کہ اس کی تعظیم وتکریم کرے اور اس کی اطاعت وفرماں برداری کرے، پس یہ بیوی کی ذمہ داری ہے، اور بیوی کا شوہر پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرے اور اس کی ہر ضرورت پوری کرے، پس یہ شوہر کی ذمہ داری ہے۔ (ہدایت القرآن: ۲/۴۳)

ایک حدیث شریف میں ہے کہ: وَإِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ شِرَارُكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَاءُكُمْ وَأُمُوْرُكُمْ إِلَى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا. [ترمذی:۲۲۶۶] یعنی اگر تمہارے امراء شریر ہوں اور تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے امور تمہاری عورتوں کے سپرد ہوں تو زیرِ زمین تمہارے لیے روئے زمین سے بہتر ہے۔

اس پر بعض علماء نے یہ فرمایا ہے کہ اگر تمہارے گھریلو معاملات بھی تمہاری بیوی کے ہاتھ میں ہوں تو تم ڈوب مرو۔

(۳) شوہر کی ہر جائز کام میں اطاعت کرنا:

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر شوہر بیوی کو حکم دے کہ زرد پہاڑ سے پتھر اٹھا کر کالے پہاڑ پر لے جائے اور کالے پہاڑ سے سفید پہاڑ پر لے جائے تو عورت کے لیے یہی مناسب ہے کہ شوہر کے حکم کے مطابق عمل کرے۔ (مشکاۃ: ۳۱۱۷)

یعنی اگر شوہر بیوی کو کسی دشوار کام کا حکم کرے اور وہ کام بے فائدہ ہو تو بھی بیوی شوہر کی اطاعت کرے۔(طیبی) کوئی شوہر اپنی بیوی کو ایسا حکم نہیں دے گا لیکن اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شریعت میں شوہر کے اطاعت کی کس قدر اہمیت ہے، حتی کہ آں حضرت ﷺ نے شوہر کی موجودگی میں شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزے رکھنے سے بھی منع کیا ہے۔

(۴) شوہر کو ایذا نہ پہنچانا:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی، ایک لڑکے کو اٹھائے ہوئے تھی دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی، وہ حاملہ بھی تھی، اس نے جو مانگا آپ نے عطا فرمایا، پھر فرمایا: یہ حاملائیں، جننے والیاں اپنے بچوں پر مہربان، اگر نہ لائیں یہ وہ (ایذائیں) جو

اپنے شوہروں کو دیا کرتی ہیں تو ان میں سے ہر وہ جو نماز پڑھنے والیاں ہیں جنت میں داخل ہو جائیں۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۰۱۳)

ایک حدیث کا مفہوم ہے: جب کوئی عورت اپنے شوہر کو دنیا میں تکلیف پہنچاتی ہے، ستاتی ہے یا برا بھلا بولتی ہے تو اس کی جنتی بیوی گوری رنگت بڑی خوب صورت آنکھوں والی اپنی دنیوی سوتن کو کہتی ہے: "اللہ تجھے غارت کرے، یہ تیرے پاس وقتی مہمان ہے قریب ہے کہ وہ تجھ سے جدا ہو کر ہمارے یہاں کی زینت بنے۔" (سننِ ترمذی: ۱۱۷۴)

(۵) شوہر کے عیوب کا افشا نہ کرنا:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ [البقرۃ: ۱۸۷]

یعنی وہ عورتیں تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔

اس کا بعض علماء نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ جس طرح لباس بدن کو چھپاتا ہے، ستر کی جگہ کو بھی اور عیوب کو بھی، میاں بیوی کو بھی اسی طرح رہنا چاہیے، چوں کہ لمبے وقت تک بے تکلفی سے ساتھ رہنے کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کے عیوب سے واقف ہو جاتے ہیں، لہٰذا کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک دوسرے کے عیوب کو اچھالے اور دوسرے کے سامنے اس کو بیان کرے۔

(۶) شوہر کو بلا وجہ ہم بستری سے انکار نہ کرنا:

ہم بستری کرنا شوہر کا حق ہے اور نکاح کے مقاصد میں سے ایک تحصینِ فرج، قضائے وطر اور تمتع وحصولِ لذت ہے یعنی حلال طریقے سے لذت حاصل کرنا، حاجت پوری کرنا تاکہ شرم گاہ اور نگاہ گناہوں سے محفوظ رہیں۔

کچھ ناداں عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ یہ مرد بس ہوس کے پجاری ہیں، ان کو اس کے علاوہ کسی سے مطلب نہیں بسا اوقات وہ اپنے مردوں کو بھی ایسا کہہ دیتی ہیں اور ہم بستری سے منع کر دیتی ہیں، ایسا کر کے درحقیقت وہ اسی شاخ کو کاٹ رہی ہوتی ہیں جس شاخ پر وہ بیٹھی ہیں۔ پھر جب مرد اپنا انتظام کہیں اور کر لیتا ہے تو وہ پچھتاتی ہیں اور کہتی ہیں: جن پر تکیہ تھا وہی پتّے ہوا دینے لگے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر عورت تنور پر بیٹھی ہو اور مرد اپنی حاجت کے لیے

بلائے تو بھی عورت انکار نہ کرے۔ (سنن نسائی)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شوہر اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور بیوی انکار کر دے۔جس کی بناء پر شوہر ناراضگی کی حالت میں رات گزارے تو ایسی عورت پر فرشتے صبح تک لعنت کرتے رہتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ اگر عورت نہ جائے تو وہ ذات جو آسمان میں ہے۔ اس عورت سے ناراض رہتی ہے یہاں تک کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو جائے۔ (مسلم)

حتیٰ کہ علماء نے کہا ہے کہ حیض کا ہونا بھی عذر نہیں ہے کیوں کہ وہ حائضہ سے ناف کے اوپر سے استمتاع کرسکتا ہے۔

(۷) شوہر کے لیے بناؤ سنگھار کرنا اور خوشبو استعمال کرنا:

اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ (ایک دن) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پر غصہ ہوئے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اے عائشہ! کیا آپ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے طرف سے راضی کرسکتی ہیں تو راضی کر دیجئے، آپ کے لیے میری باری کا دن ہے، انھوں نے کہا: ٹھیک ہے۔

چناں چہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک اوڑھنی لی جو زعفران کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی تو اس سے خوشبو پھوٹنے کی غرض سے پانی چھڑ کا پھر اس کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں جا کر بیٹھ گئیں آپ نے فرمایا اے عائشہ! مجھ سے پرے ہٹ۔ یہ تیری باری کا دن نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ تو اللہ پاک کا فضل وکرم ہے وہ جسے چاہے عطا کر دے پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سارا قصہ بیان کیا تو آپ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے راضی ہو گئے۔ (سنن ابن ماجہ:۲۰۴۶)

ایک روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی رخصتی کا واقعہ سناتے ہوئے فرماتی ہیں کہ ”میری والدہ نے میرا منہ دھویا اور سر پونچھ کر مجھے عورتوں کے حوالے کیا۔ انھوں نے مجھ کو دعائیں دیں اور میرا بناؤ سنگھار کیا“۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۹۴۷)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اپنے خاوند کے علاوہ دوسروں کے لیے زیب وزینت اختیار کرنے والی عورت قیامت کے دن ایسی تاریکی میں ہوگی کہ وہاں روشنی کی کوئی صورت بھی نہیں ہوگی“۔

لٰہذا بیوی کو چاہیے کہ صرف شوہر کی موجودگی میں شوہر ہی کے لیے زینت اختیار کرے لیکن ہمارے معاشرے کا حال جدا ہے گھر میں عورت عام لباس میں بکھرے بال منتشر حال میں ہوتی ہے لیکن کہیں دعوت یا تقریب میں جانا ہو تو تمام تر زینت و زیور استعمال کرتی ہے اور جیسے ہی تقریب سے واپس آتی ہے تو یہ کہتے ہوئے سب اتار دیتی ہے کہ ان سب چیزوں میں بڑی الجھن ہو رہی تھی۔

عورت کو چاہیے کہ خداداد اور مصنوعی حسن سے شوہر کا دل و دھیان اپنے تک اٹکا کر رکھے۔

(۸) نفقہ میں ضرورت سے زیادہ کا مطالبہ نہ کرنا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کی اجازت طلب کر رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ آپ کے دروازہ پر لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور ان میں سے کسی کو اجازت نہیں ملی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اجازت مل گئی۔ چنانچہ وہ اندر تشریف لے گئے، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے انھوں نے اجازت طلب کی ان کو بھی اجازت مل گئی تو انھوں نے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے درمیان غمگین اور خاموش بیٹھے ہوئے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دل میں کہا کہ میں کوئی ایسی بات کہوں جس سے آپ ہنس پڑیں۔ چنانچہ عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول بھلا بتاؤ اگر خارجہ کی بیٹی (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی) مجھ سے زیادہ خرچہ مانگے تو میں اس کی طرف کھڑا ہوؤں اور اس کی گردن مروڑ دوں۔ چنانچہ آپ ہنس پڑے اور آپ نے فرمایا: کہ یہ میرے ارد گرد تم دیکھ رہے ہو یہ مجھ سے زیادہ خرچہ مانگ رہی ہیں، یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھے تا کہ ان کی گردن مروڑ دیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف ان کی گردن مروڑنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ دونوں نے کہا کہ تم حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی چیز مانگ رہی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے۔ چنانچہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن نے کہا کہ خدا کی قسم ہم کبھی بھی حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی چیز کا مطالبہ نہیں کریں گی جو آپ کے پاس نہ ہو۔ (مسلم بحوالہ مشکاۃ: ۳۲۴۹)

خواتین کو چاہیے کہ وہ اپنے شوہر پر اس کی حیثیت سے زیادہ زور نہ ڈالیں، اپنی فرمائشوں

اور غیر متناہی خواہشوں کو لگام دیں، عمدہ سے عمدہ کپڑے ، مہنگے ہوٹلوں میں کھانے اور تعطیلات میں لازماً کسی سیر و سیاحت کے سفر کے مزاج سے دور رہیں، کیوں کہ بسا اوقات مرد اس کے لیے کسبِ مال کی غلط راہ اختیار کر لیتا ہے۔

(۹) مرد کے ساتھ بدزبانی نہ کرے، شیریں گفتار رہے:

حضرت لقیط بن صبرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول میری ایک بیوی ہے، جس کی زبان میں کچھ ہے یعنی وہ بہت بد زبان ہے، حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اس کو طلاق دے دو۔ میں نے کہا اس سے میرا لڑکا ہے اور ایک لمبی مدت سے اس کی صحبت رہی ہے۔ آپ نے فرمایا تو اس کو نصیحت کرو، اگر اس کے اندر بھلائی ہوگی تو وہ نصیحت قبول کرے گی اور اپنی بیوی کو اپنی باندی کی طرح ہرگز مت مارو۔ (ابو داؤد بحوالہ مشکاۃ: ۳۲۶۰)

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باکرہ لڑکی سے نکاح کرنے پر زور دیا اور اس کی ایک وجہ یہ بتائی کہ وہ شیریں دہن ہوتی ہیں یعنی میٹھا بولتی ہیں، اپنی زبان سے اپنے شوہر کو ایذا پہنچانے سے حتی الامکان احتراز کرتی ہیں۔

(۱۰) شوہر کی اجازت کے بغیر دینی اجتماعات، غیر واجب حصول علم اور نوافل میں مشغول نہ ہو:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میرے شوہر صفوان بن معطل ہیں۔ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھ کو مارتے ہیں اور جب میں روزہ رکھتی ہوں تو تڑوا دیتے ہیں اور فجر کی نماز اس وقت پڑھتے ہیں جب سورج طلوع ہو جاتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے، آپ نے عورت کی شکایت کے متعلق ان سے دریافت کیا، تو انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول جہاں تک اس کی یہ بات ہے کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھے مارتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دو سورتیں پڑھتی ہے حالاں کہ میں نے اس کو اس سے منع کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر ایک سورت ہوتی تو بھی لوگوں کے لیے کافی ہوتی اور اس کا یہ کہنا کہ جب میں روزہ رکھتی ہوں تو روزے تڑواتے ہیں تو اس لیے کہ مسلسل روزے رکھے چلی جاتی ہے اور میں جوان آدمی ہوں لہٰذا صبر نہیں کر سکتا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر روزے نہ رکھے اور جہاں تک اس کا یہ کہنا ہے کہ میں نماز سورج نکلنے

تک پڑھتا ہوں تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ ہم ایسے گھر والے ہیں جن کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے بیدار نہیں ہو پاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے صفوان! جب تم بیدار ہو اس وقت نماز پڑھ لو۔ (ابوداؤد)

نوٹ: حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سورج طلوع ہونے سے پہلے نماز پڑھ لیتے تھے۔

عورتوں کو اپنے شوہروں کے جذبات کا خیال رکھنا چاہیے۔ ان کو اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شوہروں کے سکون وراحت کا ذریعہ بنایا ہے اگر یہ جوان شوہروں سے کنارہ کشی اختیار کریں گی اور ان کی جنسی خواہش پوری نہیں کریں گی تو شوہر گناہ میں ملوث ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا جس وقت شوہر کو ان کی ضرورت ہو اس وقت دوسرے غیر واجبی کام میں مشغول نہ ہوں۔

(۱۱) بلا ضرورت طلاق کا مطالبہ نہ کرے:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جو عورت بغیر کسی وجہ کے اپنے خاوند سے طلاق کا سوال کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (ابوداؤد)

طلاق وخلع جائز امور ہیں لیکن بلاضرورت ناپسندیدہ اور مبغوض ہیں بعض مردوزن محض عیاشی کی وجہ سے اور مزہ چکھنے کی خاطر طلاق لیتے اور دیتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ذواقین یعنی چکھنے والوں اور ذواقات یعنی چکھنے والیوں کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ لہٰذا بلا ضرورت طلاق نہ دینا چاہئے۔ اسی طرح عورت کو بغیر سخت دشواری کے طلاق کے مطالبہ سے باز رہنا چاہئے۔ ہاں اگر واقعی مصیبت ہے تب طلاق لینے اور دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (الرفیق الفصیح)

ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنی ذات کو نکاح سے نکالنے والیاں یعنی خلع لینے والیاں منافق عورتیں ہیں۔ (نسائی)

بلا سبب خلع چاہنا اور نکاح کو ختم کرنا سخت مذموم عمل ہے اور یہ منافقانہ خصلت ہے۔ کیوں کہ نکاح کیا تو اس بات کو ظاہر کیا کہ ہمیشہ رشتہ ازدواج سے وابستہ رہیں گے، جب کہ بلا سبب خلع کا مطالبہ اس بات کی دلیل ہے کہ دل میں فطور تھا کہ کچھ وقت مزا چکھنے کے بعد رشتہ ختم کرلیں گے، یہی دوغلہ پن نفاق ہے۔

(۱۲) شوہر سے خیانت نہ کرے:

نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا عورتوں کے ساتھ خیر کی وصیت کو قبول کرو، اس لیے کہ وہ تمہارے پاس قید ہیں تم اس کے کسی چیز کے مالک نہیں ہو الا یہ کہ اگر وہ کھلی بدکاری کریں پس اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کے خواب گاہوں کو الگ کر دو یعنی ان کو اپنے ساتھ نہ لٹاؤ۔ (پھر بھی وہ اپنی شرارت سے باز نہ آئیں) تو ان کی تادیب کرو لیکن شدید مار نہ ہو، ان پر خوا مخواہ زیادتی نہ کرو۔سنو! بے شک تمہارا تمہاری عورتوں پر حق ہے اور تمہاری عورتوں کا تم پر بھی ہے۔تمہارا حق تمہاری عورتوں پر یہ ہے کہ تمہارے بستر کو وہ شخص نہ روندے جس کو تم ناپسند کرتے ہو اور ان لوگوں کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے جن کو تم ناپسند کرتے ہو۔سنو! عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کو اچھی طرح پہننے کے لیے کپڑا اور کھانے کے لیے کھانا دو۔ (سنن بن ماجہ:۱۹۲۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس کو دی گئیں تو اس کو دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا کی گئی۔ (۱) شکر گزار دل۔ (۲) ذکر کرنے والی زبان۔ (۳) مصیبتوں پر صبر کرنے والا بدن۔ (۴) وہ عورت جو کہ اپنی ذات اور اپنے شوہر کے مال میں خیانت کو پسند نہیں کرتی ہے۔ (شعب الایمان)

(۱۳) شوہر کے راز فاش نہ کرے بالخصوص اگر کسی کی متعدد بیویاں ہوں:

سورۂ تحریم کی ابتدائی آیتوں کی تفسیر ہدایت القرآن سے پیشِ خدمت ہے:

شوہر کا راز فاش کرنا غضب ڈھا سکتا ہے: شوہر کو بیوی کی خِلقی اور خُلقی حالت اجنبی کے سامنے بیان نہیں کرنی چاہئے ورنہ رقابت پیدا ہوسکتی ہے اور بیوی بھی شوہر کی خلقی اور خلقی حالت کسی عورت سے بیان نہ کرے ورنہ وہ اس کو دھوکہ دے گی یا شریکِ کار ہو جائے گی اور بیوی شوہر کی رازدار ہوتی ہے، اس کو چاہئے کہ شوہر کا راز فاش نہ کرے، خاص طور پر جب کسی کی متعدد بیویاں ہوں اور راز ازواج سے متعلق ہو تو اس کا فاش کرنا غضب ڈھا سکتا ہے، اس کی ایک مثال آئندہ دو آیتوں کے شانِ نزول کے واقعے میں ہے۔ اس میں اگر بات حضرت زینب تک پہنچ جاتی تو محاذ آرائی شروع ہو جاتی، پھر بات کہاں تک بڑھتی اس کا اندازہ کون کرسکتا ہے!

شانِ نزول کا واقعہ: آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ عصر کے بعد سب ازواج کے پاس مزاج پرسی اور ضروریات معلوم کرنے کے لیے تشریف لے جاتے تھے، اس موقعہ پر ہر بیوی کی

خواہش ہوتی تھی کہ آپ اس کے پاس زیادہ سے زیادہ رکیں اور نبی ﷺ کو شہد پسند تھا، چنانچہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے جو آپ کی پھوپی زاد بہن بھی تھیں، شہد منگوالیا، جب آپ ان کے پاس پہنچتے تو وہ پوچھتیں: کیا آپ شہد نوش فرمائیں گے؟ آپ خواہش کا اظہار فرماتے تو وہ شربت بناتیں اور باتیں کرتیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ان سے حسن میں مقابلہ تھا، جب انھوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ زینب رضی اللہ عنہا کے یہاں زیادہ ٹھہرتے ہیں تو وہ ٹوہ میں لگ گئیں۔ جب پتہ چلا کہ انھوں نے شہد منگوا رکھا ہے اور وہ شربت کے بہانے روکتی ہیں تو انھوں نے حضرات حفصہ وسودہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مل کر ایک اسکیم بنائی کہ جب نبی کریم ﷺ شہد نوش فرما کر جس کے پاس بھی آئیں تو وہ کہے: یارسول اللہ ! آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ (یہ ایک بدبودار گوند ہے) آپ کہیں گے نہیں! میں نے شہد پیا ہے تو وہ کہے: شاید شہد کی مکھی نے مغافیر کے پھول کا رَس چوسا ہوگا اور آپ کو یہ بات نہایت ناپسند تھی کہ ازواج آپ کے منہ سے بدبو محسوس کریں، اسی لیے گھر میں آتے ہی مسواک کرنے کا معمول تھا، چنانچہ جب آپ ﷺ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے تو انھوں نے یہ بات کہی آپ نے وہی جواب دیا تو انھوں نے وہی وجہ بتائی، پھر آپ ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے تو انھوں نے بھی یہی بات کہی، آپ ﷺ نے ان کو بھی یہی جواب دیا، پھر جب آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے تو انھوں نے بھی یہی بات کہی۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اب میں وہ شہد نہیں پیوؤں گا مگر تم کسی سے ذکر نہ کرنا، خیال تھا کہ اگر یہ بات زینب کو پہنچے گی تو ان کا دل ٹوٹے گا، دوسرے دن آپ حضرت زینب کے پاس پہنچے تو انھوں نے شہد کی پیش کش کی، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے شہد نہیں پینا اور آپ ﷺ تھوڑی دیر رک کر آگے بڑھ گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ پلان کامیاب ہوگیا اور انھوں نے یہ بات حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتادی کیوں کہ وہ بھی شریکِ کار تھیں۔

اُدھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی ٹوہ میں لگ گئیں کہ اب آپ ﷺ شہد کیوں نوش نہیں فرماتے اور ازواج میں ان کی بھی ہم نوا تھیں، پس اندیشہ لاحق ہوا کہ بات بڑھ جائے۔ چنانچہ وحی نازل ہوئی اور آپ ﷺ کو صورتِ حال سے واقف کیا گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم نے راز فاش کردیا مگر یہ نہیں بتایا کہ کس کو بتایا؟ مگر ان کا ماتھا ٹھنکا، انھوں نے خیال کیا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتایا ہوگا کیوں کہ انھوں نے صرف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتایا تھا۔

انھوں نے پوچھا: آپ ﷺ کو یہ بات کس نے بتلائی؟ اگر حفصہ نے بتلائی ہے تو وہ ان کے سر ہو جائیں گی، آپ ﷺ نے جواب دیا: مجھے علیم وخبیر اللہ نے یہ بات بتلائی ہے۔ (ہدایت القرآن)

(۱۴) شوہر کی ناشکری نہ کرے:

ارشادِ نبوی ہے: اے عورتوں کی جماعت خیرات کرو، اس لیے کہ میں نے تمھیں جہنم میں بہ کثرت دیکھا ہے۔ عورتوں نے کہا: ایسا کیوں اے اللہ کے رسول! فرمایا کہ: اللہ کی ناشکری کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے کسی ناقصِ عقل اور ناقصِ دین کا کسی ہوشیار، دانا آدمی کو زیادہ بے عقل کر دینے والا (اے عورتوں) تمہاری بہ نسبت کسی کو نہیں دیکھا۔ (بخاری)

اور ایک روایت میں ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر آپ ان میں سے کسی ایک پر ایک زمانہ احسان کرو پھر اگر وہ تم میں کوئی ایک ناگواری دیکھ لے تو کہتی ہے: میں نے تجھ سے کوئی خیر کبھی نہیں دیکھی۔ (بخاری)

———

بیوی کے حقوق

شوہر کے ذمہ کیا ضروری ہے قرآن و حدیث کی روشنی میں

(ا) خوش اخلاقی کا برتاؤ کرنا:

قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ میں عورتوں کے حقوق بھی بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، شوہر پر عورت کے حقوق ادا کرنا بھی بہت ضروری ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ [النساء:۱۹]

ترجمہ: اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزران کرو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔

(از بیان القرآن)

عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے، پس حمد و ثنا کے بعد لوگوں کو نصیحت فرمائی۔ عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ نے لمبی حدیث بیان کی، اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا: سنو! عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی میری وصیت (تاکید) قبول کرو۔ (سنن ترمذی:۱۱۴۶)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے حق میں بہتر ہے اور میں تم سب میں اہل و عیال کے حق میں سب سے بہتر ہوں۔ (ترمذی بحوالہ مشکاۃ:۳۱۰۱)

ایک حدیث میں اس کو کمالِ ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا: مومنین میں ایمان کے اعتبار سے کامل وہ ہے جو ان میں بہتر ہے اخلاق کے اعتبار سے، اور تم میں بہتر وہ ہے جو تم میں بہتر ہے اپنی بیویوں کے حق میں۔ (سنن ترمذی:۱۲۴۵)

ان احادیث کا مدعا یہ ہے کہ بیویوں کے ساتھ اچھا اخلاقی برتاؤ ان کا مردوں پر ایک حق ہے۔ آدمی ازواج کے ساتھ اچھے اخلاقی برتاؤ کے بغیر ایمان میں باکمال نہیں ہوسکتا اور اس حدیث میں ایک معاشرتی کمزوری کی اصلاح بھی کی گئی ہے۔ لوگ عام طور پر اجانب کے ساتھ تو اچھے اخلاق برتتے ہیں، مگر نوکروں، بچوں اور بیویوں کے ساتھ اخلاق کا برتاؤ کرنے میں کوتاہی

کرتے ہیں، غیروں سے تو بڑی مہذب گفتگو کریں گے اور متعلقین سے تو تڑاک کے ساتھ باتیں کریں گے یہ بات ٹھیک نہیں۔ حدیث میں یہی بات سمجھائی گئی ہے کہ جو بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے وہی کامل اخلاق والا ہے، کیوں کہ وہ دوسروں کے ساتھ ضرور اچھے اخلاق کا برتاؤ کرے گا۔ (تحفۃ الالمعی)

(۲) اچھی طرح نان و نفقہ دینا:

قرآن میں ہے: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ [النساء:۳۴]

مرد عورتوں پر نگراں ہیں، اس لیے کہ اللہ ہی نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور اس لیے کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔

حضرت حکیم بن معاویہ قُشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کسی کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کھاؤ تو اس کو بھی کھلاؤ، جب پہنو تو اس کو بھی پہناؤ اور چہرے پر مت مارو اور اس کو برا مت کہو اور گھر کے علاوہ میں علاحدگی مت اختیار کرو۔ (احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ)

شوہر بیوی کو گالی نہ دے نہ برا بھلا کہے اور نہ بد دعا دے، یہ عورت کا شوہر پر حق ہے۔ عورت کی نافرمانی کی صورت میں شوہر گھر میں رہتے ہوئے اس سے علاحدگی اختیار کرسکتا ہے لیکن خود گھر سے نکل جائے یا عورت کو نکال دے اس کی اجازت نہیں ہے۔

(الدر المنضود: ۴/ ۶۵)

اگر شوہر گھر سے باہر چلا جائے یا عورت کو گھر سے نکال دے پھر اگر ان میں سے کوئی پشیمان ہو اور معافی مانگنا چاہے تو وہ کیسے معافی مانگے گا؟ ہاں اگر دونوں گھر میں ہوں تو بآسانی مصالحت ہوسکتی ہے۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سنو! بے شک تمہارا تمہاری عورتوں پر حق ہے اور تمہاری عورتوں کا بھی تم پر حق ہے۔ عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کے پہننے اور کھانے پینے کو اچھا کرو (یعنی یہ عورتوں کا شوہروں پر حق ہے کہ ان پر معروف طریقے پر خرچ کیا جائے

اور استطاعت کے مطابق اچھا کھانا کپڑا اور مکان دیا جائے)۔ (سنن ترمذی:۱۱۴۶)

مسئلہ: اگر بیوی نافرمانی کرتے ہوئے شوہر کے گھر سے چلی جائے تو شوہر پر بیوی کے اخراجات نہیں ہوتے ہیں۔

مسئلہ: اگر مستقبل کا نفقہ عورت معاف کر دے تو بالاتفاق اس کا اعتبار نہیں اور آئندہ عورت دوبارہ نفقہ کی طلب گار ہوسکتی ہے، اس لیے کہ ابھی تو یہ نفقہ واجب ہی نہیں ہوا ہے اور جو چیز واجب ہی نہیں ہوئی اس پر معافی کا ترتب کیسے ہوسکتا ہے؟ البتہ دو صورتیں اس سے مستثنی ہیں: اول یہ کہ خلع یا طلاق کے عوض عورت نفقۂ عدت معاف کر دے۔ دوسرے ایسی مدت کا نفقہ معاف کرے جو عملاً شروع ہو چکی ہے، جیسے مہینہ شروع ہو چکا ہے اور اس مہینے کا نفقہ معاف کر دے۔ (قاموس الفقہ:۲۱۱)

(۳) استطاعت کے مطابق رہائش دینا:

بیوی کو ایسا گھر فراہم کیا جائے جس میں اس کی خواہش کے بغیر اس کو دوسروں کے ساتھ رہنے پر مجبور نہ ہونا پڑے، یہ ضروری نہیں کہ رہائشی مکان مملوک ہی ہو کرایہ یا عاریت کا مکان ہو یہ بھی کافی ہے۔ معیار کے اعتبار سے مرد اور عورت دونوں کی رعایت کی جائے گی اللہ تعالیٰ قران کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ [الطلاق:۶] طلاق دی ہوئی عورتوں کو جہاں تم رہتے ہو وہیں اپنی گنجائش کے مطابق رہائش کی جگہ دو۔ جب مطلقہ کے لیے یہ حکم ہے تو بیوی کے لیے بطریق اولی ہوگا۔

وَإِذَا وُجِبَتِ السُّكْنَى حقًّا لَهَا (لِلزَّوْجَةِ) لَيسَ لَهُ أَنْ يُشْرِكَ غَيْرَهَا فِيهِ؛ لِأَنَّهَا تَتَضَرَّرُ بِهِ، فَإِنَّها لَا تَأْمَنُ عَلَى مَتَاعِهَا، وَيَمْنَعُهَا ذٰلِكَ مِنَ الْمُعَاشَرَةِ مَعَ زَوْجِها وَمِنَ الِاسْتِمْتَاعِ، إِلَّا أَنْ تَخْتَارَ.(البحر الرائق شرح كنز الدقائق)

فتاویٰ دار الافتاء بنوریہ میں ہے: جہاں تک علیحدہ رہائش فراہم کرنے کی ذمہ داری ہے تو شریعت نے اس معاملہ میں شوہر کی استطاعت اور حیثیت کو ملحوظ رکھا ہے، اگر شوہر اتنی استطاعت نہیں رکھتا کہ مکمل طور پر جدا گھر دے یا شوہر استطاعت رکھتا ہے لیکن بیوی متوسط یا عام خاندان سے تعلق رکھتی ہے تو گھر میں سے ایک ایسا جدا مستقل کمرہ جس کا بیت الخلا، باورچی خانہ وغیرہ الگ ہو اور عورت کی ضروریات کو کافی ہوجائے، جس میں وہ اپنا مال و اسباب تالا لگا کر رکھ

سکے، کسی اور کی اس میں دخل اندازی نہ ہو ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے کافی ہے۔

اور اگر شوہر زیادہ مال دار ہے اور اس کی استطاعت ہے کہ وہ مستقل طور پر علیحدہ گھر کا انتظام کرے اور بیوی بھی شریف اور اعلی خاندان سے تعلق رکھتی ہے تو بیوی کو الگ گھر کے مطالبے کا حق ہو گا لیکن اگر شوہر کی استطاعت نہ ہو تو اس کی حیثیت کو مدنظر رکھ کر درمیانے درجے کے گھر کا انتظام لازم ہو گا۔

جدا رہائش (خواہ علاحدہ کمرے کی صورت میں ہو یا جدا مکان) مالکانہ حقوق کے ساتھ دینا بھی شوہر کے ذمہ لازم نہیں ہے بلکہ اگر شوہر نے کرائے یا عاریت کے مکان میں بھی یہ سہولیات بہم پہنچادیں تو عورت مزید مطالبہ نہیں کرسکتی۔ نیز شوہر جہاں بھی مناسب انتظام کردے عورت کے حق کی ادائیگی ہو جائے گی کسی خاص علاقے یا خاص معیار کے گھر کے مطالبے کا بیوی کو حق نہیں ہو گا۔

(۴) بیوی کے لیے پوشاک کا انتظام کرنا:

قاموس الفقہ میں ہے: بیوی کی پوشاک کا انتظام بھی بالاتفاق شوہر کے ذمے ہے۔

سورۂ بقرہ میں ہے: ﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ط لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرۃ:۲۳۳]

ترجمہ: اور دودھ پیتے بچہ کے باپ پر اُن عورتوں کا مروج طریقہ کے مطابق کھانا اور کپڑا واجب ہے۔ کسی بھی شخص کو اس کی طاقت کے لحاظ سے ہی تکلیف دی جائے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ تم پر بیویوں کا رزق اور ان کا لباس معروف طریقے پر واجب ہے۔ (ابو داؤد:۱۹۰۵)

لباس میں بھی مقدار اور نوعیت متعین نہیں اور نہ اس کو مکمل طور پر متعین کرنا ممکن ہی ہے کہ مختلف مقامات کے عرف کی رعایت کرتے ہوئے لباس کا فراہم کرنا واجب ہے۔

ظاہر ہے کہ کم سے کم ایسا لباس واجب ہے جو ستر کے تقاضا کو پورا کردے، رہ گیا لباس کا معیار تو یہ شوہر کی معاشی استطاعت اور عورت کے خاندان کے لوگوں کے معیارِ زندگی کے اعتبار سے واجب ہو گا، سال میں کم سے کم دو جوڑے بنانے ضروری ہیں اور اگر قبل از وقت کپڑا پھٹ گیا تو قانوناً نیا کپڑا دینا شوہر کی ذمہ داری نہ ہو گی لیکن اگر عورت کپڑے کی ضرورت مند ہو تو

دیانتاً شوہر کا فریضہ ہے کہ وہ اس کے لیے کپڑا فراہم کرے، کپڑے میں یہ بھی ضروری ہے کہ جاڑے اور گرمی کے موسم کی ضرورت کے لحاظ سے کپڑے فراہم کئے جائیں، اسی طرح جوتا چپل اور جاڑے کے موسم کی رعایت کرتے ہوئے موزوں کا فراہم کرنا بھی شوہر کی ذمہ داری ہے۔

دیگرضروری اشیاء کی فراہمی بھی مرد کے ذمے ہے: سامان آرائش میں بعض چیزیں تو لازمی درجے کی ہیں جیسے: کنگھی، تیل، نہانے اور کپڑے دھونے کا صابن، ایسا خوشبو دار پاؤڈر یا کریم جس سے پسینہ وغیرہ کی بو دور کی جاسکے، ان کی فراہمی شوہر پر واجب ہے۔ ایسی چیزیں جو اس درجہ ضروری نہیں ہیں بلکہ خصوصی آرائش کے درجہ میں آتی ہوں جیسے: سرمہ، کاجل، خضاب، عطریات وغیرہ شوہر پر واجب نہیں لیکن اگر شوہر خود بیوی سے ان چیزوں سے آراستہ ہونے کا تقاضا کرتا ہو تو پھر اس کے لیے ان کا فراہم کرنا بھی واجب ہوگا۔

تکیہ، بستر اور فرش کا انتظام بھی شوہر پر واجب ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ شوہر اپنی حیثیت کے مطابق موسم کی رعایت کرتے ہوئے ان چیزوں کو فراہم کرے، خوشحال آدمی ہے تو ٹھنڈک میں اسپنچ کا گدا، اور غریب آدمی ہے تو ادنی فرش وغیرہ۔ اسی طرح لحاف اوڑھنے کا انتظام اور عورت کے لیے ان چیزوں کا مستقل انتظام کہ اگر بیماری وغیرہ کی وجہ سے عورت، شوہر سے الگ ہونا چاہے تو اسے دقت نہ ہو، ضروری ہے۔ علّامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے نفقہ کے ذیل میں آنے والی ان تمام چیزوں کو اس طرح بیان فرمایا ہے: حاصل یہ ہے کہ عورت پر صرف یہ بات واجب ہے کہ شوہر کے گھر میں اپنے نفس کو حوالے کر دے اور عورت کے لیے شوہر کے ذمے کھانا پینا لباس اور رہائش سے متعلق تمام چیزیں دونوں کے حالات کی رعایت کرتے ہوئے شوہر پر واجب ہے۔ (قاموس الفقہ: ۲۰۷)

(۵) اپنی بیویوں کو نہ گالی دے نہ برا بھلا کہے اور نہ ہی غیر شرعی مار مارے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سنو! عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی میری وصیت (تاکید) قبول کرو اس لیے کہ عورتیں تمہارے پاس قیدی ہی ہیں (یہ حق احتباس کا بیان ہے اور یہ شوہر کا بیوی پر ایک حق ہے) تم مالک نہیں ہو۔ عورتوں سے کسی چیز کے اس کے علاوہ (یعنی تمہارا ان کو قیدی رکھنے ہی کا حق ہے اور کسی چیز کے مالک نہیں ہو اور قیدی رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں حق احتباس حاصل ہے یعنی ان کو گھروں میں روک کر رکھنے کا حق ہے۔ اس سے زیادہ

تمہارا کوئی حق نہیں) مگر یہ کہ وہ نافرمانی کریں (یعنی اس حق کو قبول نہ کریں اور بھٹکتی پھریں) پس اگر وہ نافرمانی کریں تو ان کو خواب گاہوں میں چھوڑ دو یعنی ان کو ساتھ نہ لٹاؤ، صحبت سے ان کو محروم کرو، پھر بھی باز نہ آئیں تو ان کو ایسی مار مارو جو سخت نہ ہو۔ پس اگر وہ تمہارا کہنا ماننے لگیں تو تم ان پر کوئی راہ نہ چاہو یعنی اب خواہ مخواہ پریشان مت کرو۔" (ابن ماجہ و ترمذی: ۱۱۴۶)

ابو داؤد شریف کی ایک روایت گزری کہ اس کو چہرے پر مت مارو اور برا مت کہو۔

حضرت لقیط بن صبرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری ایک بیوی ہے، جس کی زبان میں کچھ ہے یعنی وہ بہت بد زبان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم اس کو طلاق دیدو میں نے کہا اس سے میرا لڑکا ہے اور ایک لمبی مدت سے اس کی صحبت رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس کو حکم کرو یعنی اس کو نصیحت کرو۔ اگر اس کے اندر بھلائی ہوگی تو وہ نصیحت قبول کرے گی اور اپنی بیوی کو اپنی باندی کی طرح ہرگز مت مارو۔ (ابو داؤد، بحوالہ مشکاۃ: ۳۱۰۸)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح کوڑے نہ مارے، پھر دن کے آخر حصہ میں اس سے جماع کرے۔ (بخاری: ۴۹۴۲)

یعنی یہ بات کتنی عجیب ہے کہ تم جس عورت کو سخت مار مارو پھر کچھ دیر بعد اسی سے لذت حاصل کرو، مارنا نفرت پر دلالت کرتا ہے پھر اسی سے جماع کر کے لذت حاصل کر رہا ہے یہ بات شرافت کے بالکل خلاف ہے۔

اگر کوئی عورت نصیحت کرنے اور بستر الگ کرنے کے باوجود باز نہ آئے تو اس کو معمولی مار مارنے کی اجازت ہے لیکن یہ مار معمولی ہونے کے ساتھ چہرے پر ہرگز نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ. (چہرے پر مت مارو)۔ شوہر نے اگر بیوی کو مارا تو بیوی کو نہ قصاص لینے کا حق ہے اور نہ شوہر گنہگار ہو گا۔ ابو داؤد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لَا يُسْئَلُ الرَّجُلُ فِيمَا ضَرَبَ امْرَأَتَهُ. بوقتِ ضرورت بیوی کو مارنے والے شوہر کی گرفت نہ ہو گی۔

حضرت اَشعث بن قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک رات مہمان ہوا۔ جب رات کا درمیانی وقت آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر اپنی بیوی کو مارنے لگے۔ میں ان کے درمیان میں آڑ ہو گیا، پھر جب وہ اپنے بستر پر آئے تو انھوں نے مجھے کہا کہ اے اشعث! مجھ سے ایک بات محفوظ کر لو جس کو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مرد سے سوال نہ کیا

جائے کہ اس نے اپنی بیوی کو کیوں مارا اور وتر پڑھے بغیر مت سوؤ اور تیسری چیز میں بھول گیا۔
(ابن ماجہ: ۱۹۸۶)

یہیں سے یہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ بوقتِ مجبوری نظامِ خانہ داری کی اصلاح کی خاطر شریعت نے شوہر کو معمولی طور پر مارنے کی رخصت اگرچہ دی ہے لیکن نہ مارنا بہر حال بہتر ہے۔ چنانچہ اجازت دینے کے ساتھ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ”وَلَنْ يَضْرِبَ خِيَارُكُمْ“ شریف مرد اپنی عورتوں کو مارنے کی سزا نہیں دیتے ہیں۔ (بیہقی: ۱۴۵۵۳ بحوالہ الرفیق الفصیح)

حضرت نبی کریم ﷺ نے بھی اپنی بیویوں کو کبھی نہیں مارا۔ (ابن ماجہ: ۱۹۸۴)

مسئلہ: شوہر کے لیے بیوی کو مارنے کا چار وجہ سے حق پہنچتا ہے: (۱) ترکِ زینت: شوہر اگر اس کو زینت کا حکم کرتا ہے اور وہ نہ مانے۔ (۲) جب وہ ہم بستری کے لیے طلب کرے اور عورت پاک بھی ہو پھر بھی انکار کر دے۔ (۳) نماز جان بوجھ کر چھوڑنے کی وجہ سے اور عورت کا غسلِ جنابت یا غسلِ حیض کو ترک کرنا کہ یہ نماز کے چھوڑنے کے درجے میں ہے۔ (۴) بغیر اجازت کے شوہر کے گھر سے نکلنے کی وجہ سے۔ (قاضی خان بحوالہ الدر المنضود)

(۶) نکاح کے وقت جو شرطیں لگائی گئی تھیں ان کی پاسداری کرنا:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمام شرطوں میں اس شرط کا پورا کرنا بہت زیادہ ضروری ہے جو عقدِ نکاح کے وقت لگائی جائے۔ (ابو داود، ترمذی: ۱۱۰۹) یعنی تمہارا نکاح ان شرطوں کو منظور کرنے کی وجہ سے ہوا ہے اگر تم ان شرطوں کو منظور نہ کرتے تو تمہارا نکاح نہ ہوتا یہ شرطیں وفا کے زیادہ حقدار ہیں۔ پھر جانیے کہ شرطیں تین طرح کی ہیں: (۱) جس میں عورت کا نفع ہی نفع ہو: جیسے باندی نہ رکھنے کی شرط لگانا یا میرے علاوہ کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کرنے کی شرط لگانا یا مجھ کو میرے والدین ہی کے گھر میں رہنے کی شرط لگانا اور ان شرطوں کے قبول کرنے کی وجہ سے نکاح ہوا ہے یعنی اگر یہ شرط قبول نہ کی جاتی تو نکاح نہ ہوتا تو ایسی شرطیں دیانتاً یعنی دینداری کے پیش نظر لازم ہے اور قضاءً یعنی کورٹ کے حکم کے طور پر جس کو کرنا ضروری ہوتا ہے لازم نہیں ہے۔ دیانت داری کا تقاضہ یہ ہے کہ ان شرطوں کو پورا کیا جائے البتہ قاضی ان شرطوں کے پورا کرنے پر مجبور نہیں کرے گا۔ مومن کی شان یہی ہے کہ جو وہ وعدہ کرے اس کو پورا کرے۔ (۲) وہ شرطیں جس میں عورت کو ضرر ہی ضرر ہو یا وہ مقتضائے عقدِ نکاح کے خلاف ہو: جیسے مہر نہیں

دیا جائے گا یا نفقہ اور سکنٰی نہیں دیا جائے گا عورت اپنے پر جماع کی قدرت نہیں دے گی وغیرہ ایسی شرطوں کو پورا کرنا جائز ہی نہیں ہے۔(۳) وہ شرطیں کہ جو نکاح کے عقد کے موافق ہیں نکاح ہی ان شرطوں کا تقاضا کرتا ہے: جیسے بیوی کے ساتھ اچھے سے پیش آنا، بیوی کا اپنے شوہر کی اطاعت کرنا، بغیر اجازت کے گھر سے نہ نکلنا، مہر اور اخراجات دینا ان کا پورا کرنا بغیر شرط کے بھی واجب اور ضروری ہے، جس طرح نکاح کے وقت عورت شرط لگائے اس کا اِیفاء ضروری ہے اسی طرح اگر مرد شرط لگائے تو اس کا ایفاء بھی عورت کے ذمے ضروری ہوگا۔ (الدر المنضود ، مرقاۃ)

(۷) دو یا زیادہ بیویاں ہوں تو ان کے درمیان میں عدل کرنا:

ایک خاوند کی دو یا زیادہ بیویاں ہوں ان کے درمیان اختیاری معاملات میں انصاف کرنا واجب ہے اور جو معاملات غیر اختیاری ہیں جیسے محبت ومودت اس میں برابری ضروری نہیں کیوں کہ دل پر کسی کا اختیار نہیں۔خود نبی کریم ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت تھی اور آپ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ ! جو باتیں میرے اختیار میں ہیں ان میں تو میں برابری کرتا ہوں مگر جو بات میرے بس میں نہیں۔ آپ کے بس میں ہے اس پر میرا مواخذہ نہ فرمائیں۔ (ابو داؤد:۲۱۳۴) معلوم ہوا کہ محبت میں برابری ضروری نہیں۔ اسی طرح اگر بیویوں کے متعلقات کم و بیش ہوں مثلاً ایک بیوی کی ایک اولاد ہے اور دوسری کی سات اولاد تو ان کو کم و بیش خرچہ دینا نابرابری نہیں ہے۔

ایک روایت میں ہے: جب کسی شخص کے پاس دو عورتیں ہوں اور وہ ان کے درمیان انصاف نہ کرے وہ بروزِ قیامت اس حال میں آئے گا کہ اس کی ایک جانب ساقط (فالج زدہ) ہوگی۔
(رواہ الترمذی وابو داؤد)

مسئلہ: رات گزارنے، نفقہ اور خرچہ دینے میں برابری ضروری ہے۔ دن کے اوقات میں برابری ضروری نہیں ہے نہ جماع میں برابری ضروری ہے اسی طرح ایک عورت کی رہائش اگر جدہ ریاض جیسے بڑے شہر میں ہو دوسری تیسری کی رہائش ہندوستان کے کسی چھوٹے شہر میں ہو تو ہر ایک پر اس کی مناسبت سے رہائش اور اخراجات دینا ناانصافی نہیں ہے۔البتہ ہر چیز میں برابری کو پسند کیا گیا ہے حتی کہ بوسوں میں بھی برابری مستحب ہے۔

سفر میں جس بیوی سے مناسبت ہو اس کو ساتھ لے جاسکتا ہے، البتہ بیویوں کی تطییبِ قلب، خوش دلی اور خاطر داری کے لیے قرعہ اندازی کرکے کسی کو ساتھ لے جانا مستحب ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے جس کے نام قرعہ نکلتا اسی کو اپنے ساتھ لے جاتے۔

(مسلم:۳۷۷۰)

اگر دوسرا نکاح کنواری سے کیاہے تو دوسری بیوی کے پاس مسلسل سات راتیں گزارے اور اگر دوسری بیوی ثیبہ (شوہر دیدہ یعنی مطلقہ یا بیوہ) ہو تو اس کے پاس ایک ساتھ تین راتیں گزارے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فرمان ہے) (بخاری ۲۵۱۴)

یہ حکم اس وجہ سے ہے تا کہ نئے شوہر سے اُنسیت ہو جائے وحشت اور اجنبیت دور ہو جائے، البتہ جتنی راتیں دوسری بیوی کو مسلسل دی ہیں اتنی ہی راتیں بعد میں پہلی بیوی کو دینی ہو گی۔

مسئلہ: ایک شخص کو اپنی بیوی کی سوکن لانا جائز ہے لیکن مرد پر یہ ضروری ہے کہ وہ سوکن اس کی بہن یا کوئی ذی رحم محرم نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کسی عورت کو اس کی پھوپھی کے ساتھ نکاح میں نہ جمع کیا جائے اور نہ کسی عورت کو اس کی خالہ کے ساتھ نکاح میں جمع کیا جائے۔ (بخاری ومسلم)

اور دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنے کی حرمت قران کریم سے ثابت ہے۔

شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے ساتھ کیسی معاشرت رکھیں؟

قرآن و حدیث کی روشنی میں

بیوی کے شوہر پر اور شوہر کے بیوی پر کیا حقوق ہیں ان کا بیان گزر چکا۔ اب ضرورت ہے کہ یہ بات بھی جان لی جائے کہ اپنے اپنے حقوق میں لچک رکھ کر دوسروں کے حقوق کی پاسداری کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ کیسا رہن سہن رکھنا چاہیے، کیسا رکھ رکھاؤ، خاطر داری اور دل بستگی رکھنی چاہیے۔ قرآن و حدیث میں اس سلسلے میں کافی رہنمائی ہے۔

ایک دوسرے کی خاطر داری کے اصول و آداب: قرآنِ کریم نے کئی جگہ: ”عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ“ کہا گیا کہ عورتوں کے ساتھ دستور کے مطابق حسنِ معاشرت رکھو۔ حدیث شریف میں تفصیلاً تعلیم دی، عمل کر کے بھی بتایا اور عورتوں کو حسن معاشرت کی تعلیم دی، لہٰذا وہ تعلیمات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

مشترکہ (دونوں کے لیے) تعلیمات: خانہ داری کے تعلقات میں سب سے زیادہ اہم، سب سے زیادہ نفع بخش اور سب سے زیادہ ضروری زوجین میں ارتباط ہے کیوں کہ دنیا جہاں کے تمام لوگوں میں یہ طریقہ رائج ہے کہ عورت امور معاش کی تکمیل میں مرد کا تعاون کرتی ہے، اس کے کھانے پینے اور لباس کی تیاری کی ذمہ دار ہوتی ہے، اس کے مال کی حفاظت کرتی ہے۔ اس کی اولاد کی پرورش کرتی ہے اور اس کی عدم موجودگی میں گھر میں اس کی نائب ہوتی ہے۔

چناں چہ آسمانی شریعتوں کی زیادہ تر توجہ اس بات کی طرف رہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو یہ ارتباط باقی رہے۔ نکاح کے مقاصد تکمیل پذیر ہوں اور اس جوڑ کو مکدر کرنے سے اور اس کو ختم کرنے سے احتراز کیا جائے اور کوئی بھی جوڑ باہمی الفت و محبت کے قیام کے بغیر اس کے مقاصد تکمیل پذیر نہیں ہو سکتے۔ والدین اور اولاد کے درمیان کا ارتباط ہو یا آقا اور غلام کے درمیان کا تعلق اسی وقت نتیجہ خیز ہو سکتا ہے جب کہ باہم الفت و محبت ہو اور میاں بیوی میں اُلفت و محبّت پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں چند باتوں کی پابندی کریں مثلاً دونوں ایک دوسرے کی ہمدردی و غمگساری کریں، کسی سے کوئی بے ادبی کی بات سرزد ہو جائے تو اس سے درگزر کریں اور دونوں ایسی حرکتوں سے بچیں جن سے بغض و نفرت اور دل میں وساوس پیدا ہوتے

ہیں اور دونوں الفت و محبت کے کے ساتھ رہیں یعنی ہر ایک دوسرے سے محبت کا اظہار کرے اور ایک دوسرے کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آئے اور اس قسم کی باتوں کا خیال رکھیں تا کہ آپس کا جوڑ مستحکم ہو۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ)

شوہر کے لیے تعلیمات

(۱) عورت کی خوبیوں پر نظر ہو: کوئی مؤمن (شوہر) کسی مؤمنہ (بیوی) سے نفرت نہ کرے اگر اس کو عورت کی کوئی عادت ناپسند ہے تو وہ اس کی کوئی دوسری عادت پسند کرے۔

(مشکوۃ)

یعنی اگر شوہر کو عورت کی کوئی عادت ناپسند ہو تو بھی مناسب یہ ہے کہ سزا یا طلاق دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ خوبی کے ساتھ گزارہ کرے کیوں کہ عورت کی کوئی عادت کوئی طریقہ اگر ناپسند ہے تو عورت میں بہت سی پسندیدہ عادتیں بھی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے معاشرتی تلخی برداشت کی جاسکتی ہے۔

(۲) بیوی کی کوتاہیوں سے درگذر کرنا چاہئے اس کی نامناسب باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے حسن سلوک کا برتاؤ کرنا چاہیے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا فرمایا: کہ بے شک عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے، لہٰذا وہ ایک راہ پر تمہارے لیے کبھی سیدھی نہ ہوگی۔ اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اس کی کجی کے ساتھ ہی اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہتے ہو تو تم اس کو توڑ دو گے اور اس کا توڑنا اس کو طلاق دینا ہے۔ (مسلم)

ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا کہ عورتوں کے بارے میں نیکی کی وصیت قبول کرو۔ بلاشبہ وہ پسلی سے پیدا ہوئی ہیں اور پسلی میں اوپر والا حصہ سب سے زیادہ ٹیڑھا ہوتا ہے۔ اگر تم اس کو سیدھا کرنے میں لگو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اگر اس کو یوں ہی چھوڑے رہو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی لہٰذا تم لوگ عورتوں کے بارے میں بہتر سلوک کی وصیت قبول کرو۔

(بخاری و مسلم)

یعنی عورت پسلی کی طرح ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اگر اس کو یک بارگی سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ لہٰذا عورتوں کے ساتھ مہربانی اور نرمی کا برتاؤ کرنا چاہئے۔ سختی کرنے سے اس کے بگاڑ میں اضافہ ہی ہوگا اور اگر ٹیڑھا چھوڑ دیا، اس کی اصلاح پر توجہ نہ دی تو وہ ٹیڑھی

رہے گی۔ حاصل یہ ہے کہ امور دنیا میں ان کی کوتاہی سے صرف نظر کیا جائے۔ البتہ دینی امور میں ان کی نگرانی کی جائے اور ان کو تنبیہ کی جائے لیکن سارے امور میں حتی الامکان شفقت و نرمی کا پہلو ہی اختیار کیا جائے۔ (مرقاۃ:٦/ ۳۵٦ بحوالہ الرفیق الفصیح)

(۳) بیوی کے مزاج اور خوش دلی کا خیال رکھنا: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی، میری سہیلیاں بھی میرے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو وہ چھپ جاتی تھیں۔ چنانچہ آپ ان کو میرے پاس بھیج دیتے تھے تو وہ پھر میرے ساتھ کھیلنے لگتی تھیں۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ بھی بیان کرتی ہیں کہ اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ میرے کمرے کے دروازہ پر کھڑے ہیں، جب کہ حبشی لوگ مسجد میں نیزہ بازی کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک سے مجھے چھپا لیا تا کہ میں آپ کے کانوں اور مونڈھوں کے درمیان ان کا کھیل دیکھ سکوں۔ پھر آپ میری وجہ سے کھڑے رہے یہاں تک کہ میں خود ہی اس جگہ سے ہٹ گئی آپ خود نوعمر لڑکیوں کے کھیل سے دلچسپی کا اندازہ کرلو۔

(بخاری ومسلم)

شوہر کو بیوی کی جائز خواہشات کی تکمیل کرنا چاہیے۔ اس کی دل داری کی خاطر اگر کبھی تھوڑی بہت تکلیف برداشت کرنا پڑے تو خوشی سے برداشت کرنا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دل داری کی خاطر اس وقت تک کھڑے رہے، جب تک حبشیوں کے کرتب دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود ہی ہٹ نہ گئیں۔ ایسے موقع پر بسا اوقات شوہر ان امور کو اپنے وقار کے خلاف سمجھتا ہے۔ حالاں کہ یہ وقار کے خلاف نہیں ہے بلکہ مرد کا تکبر ہوتا ہے جو بیوی کے مزاج کی رعایت سے روکتا ہے۔ (الرفیق الفصیح)

(۴) موقع ملنے پر یا موقع نکال کر بیوی کے ساتھ کوئی کھیل کھیلنا: کھیل تفریحِ طبع کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ کھیل سے دِل کھِل اٹھتا ہے۔ مزاج خوش گوار ہو جاتا ہے اور جس کے ساتھ کھیلا جائے اس سے موافقت بڑھ جاتی ہے۔ معاشرت سدھر جاتی ہے؛ جو شوہر اپنی تیوری بیوی کے سامنے ہمیشہ چڑھا کر رکھے وہ بیوی کے ساتھ کھیلنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اسی طرح جن دو میاں بیوی کے درمیان ناچاقی اور شکر رنجی ہو وہ بھی ایک دوسرے کے ساتھ کھیل نہیں پاتے۔

بیوی کے ساتھ کھیلنے سے محبت بڑھتی ہے مزاج درست ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھیں۔ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا تو میں آپ سے آگے نکل گئی۔ پھر جب میرا جسم بھاری ہو گیا تو میں نے آپ کے ساتھ دوڑ لگائی تو آپ مجھ سے آگے بڑھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اس آگے نکل جانے کا بدلہ ہے۔ (ابو داؤد)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث میں مذکور مسابقہ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ آج کل لوگ وقار وقار پکارتے ہیں۔ یہ وقار تکبر کا پوٹلہ ہے۔ ان لوگوں نے تکبر کا نام وقار رکھ لیا ہے۔ یاد رکھو وقار کے خلاف وہ کام ہے جس میں دین پر بات آتی ہو اور جن میں دینی مصلحت پر کوئی اثر نہ پہنچے محض اپنی عرفی سبب کی ہوتی ہے تو ایسا کام کرنا عین تواضع ہے۔ آج کل جو لوگ وقار کا پوٹلہ بغل میں دبائے ہوتے ہیں۔ وہ بیوی کے ساتھ دوڑنے کو خلاف وقار سمجھیں گے مگر وہ ذرا زبان سنبھال لیں اور آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مسابقت کی ہے تو کیا معاذ اللہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو بھی خلافِ وقار کہیں گے؟ ہرگز نہیں اور اگر کوئی ایسا کہے تو اس کے ایمان کی خیر نہیں۔ یقیناً آپ کا فعل خلافِ وقار نہیں تھا۔ ہاں تکبر کے خلاف ضرور تھا۔ پس اگر آج کل کے مدعیانِ متکبر نہیں ہیں تو وہ ذرا اپنی بیویوں کے ساتھ دوڑ کر دکھائیں، مگر ان سے قیامت تک ایسا نہ ہو سکے گا۔ ہاں جو شخص متکبر نہ ہوگا، آپ کا متبع ہوگا وہ ایسا ضرور کرسکتا ہے اور بحمد اللہ ہم نے بھی اس سنت پر عمل کیا ہے۔ (اشرف الجواب بحوالہ الرفیق الفصیح)

(۵) بیوی کی ناراضگی اور خوشی جاننا چاہئے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: کہ بلا شبہ مجھے معلوم ہو جاتا ہے۔ جب تم مجھ سے خوش رہتی ہو اور جب مجھ سے ناراض ہوتی ہو۔ میں نے عرض کیا آپ یہ کیسے جان لیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مجھ سے خوش رہتی ہو تو یوں کہتی ہو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رب کی قسم اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو تم یوں کہتی ہو ابراہیم (علیہ السلام) کے رب کی قسم۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! خدا کی قسم بات ٹھیک ہے لیکن میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک نام چھوڑتی ہوں۔ (بخاری ومسلم)

دنیاوی معاملات میں کبھی بیوی کا خفا ہو جانا بھی ممکن ہے شوہر کو چاہیئے کہ وہ اپنے اندر اتنی حس پیدا کرے کہ بیوی کی خوشی اور ناخوشی اور اس کے اسباب کو سمجھے اور اگر اس کی خفگی جائز ہے تو اس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی کبھی کبھی دلار میں آپ سے روٹھ جاتی تھیں لیکن ان کے دل میں آپ کی محبت اور آپ کی عظمت میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ ناراضگی بھی حد درجہ اپنائیت اور شدید محبت کی بناء پر ہوتی تھی۔ (الرفیق الفصیح)

(۶) بیوی کی باتوں پر مسکرانا چاہیے: بسا اوقات مرد حضرات، عورت کی باتوں پر مسکرانا یا تعجب کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ بیوی کی قابلِ ضحک باتوں پر مسکرانا یا ہنسنا اور قابل تعجب باتوں پر تعجب کا اظہار کرنا خوش اخلاقی ہے۔ اس سے بیوی کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور وہ ایسی باتیں کرنے میں زیادتی کرتی ہے جس سے شوہر کو ہنسی آئے۔شوہر خوش رہے جس سے گھر کا ماحول خوش گوار اور ہرا بھرا رہتا ہے۔حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی بیویوں کی بات پر مسکراہٹ بکھیرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ غزوہ تبوک یا غزوۂ حنین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو ان کے گھر کے دریچہ پر پردہ لٹک رہا تھا۔ اچانک ہوا چلی تو پردہ کا ایک کنارہ ہٹ گیا جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کھیلنے کی گڑیاں کھل گئیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ عائشہ یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یہ میری گڑیاں ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان ایک گھوڑا دیکھا جس کے کپڑے کے دو پر تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں ان کے درمیان کیا دیکھ رہا ہوں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ گھوڑا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے اوپر کیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا دو پر ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑے کے کہیں پر ہوتے ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں آپ نے سنا نہیں کہ حضرت سلیمان کے پاس کچھ گھوڑے ایسے تھے جن کے پر تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے یہاں تک کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت دیکھ لیے۔ (ابو داؤد)

نوٹ: گڑیا اور گھوڑا بغیر صورت والا تھا۔

(۷) بیوی کو اس کے والدین کے پاس (مائیکے) جانے سے نہ روکنا اور ساس سسر و دیگر

سسرالی رشتہ داروں کی تعریف و تعظیم کرنا: واقعۂ افک کی مشہور روایت میں ہے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر تہمت لگائے جانے کا علم ہوا اور آپ بیمار پڑ گئیں تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے والد کے گھر جانے کی اجازت طلب کی (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی)۔ (بخاری و مسلم)

فقہاء نے بھی لکھا ہے کہ ہفتہ میں ایک بار والدین سے اور سال میں ایک بار دیگر محارم رشتہ داروں سے ملاقات کے لیے جانے سے روکنا نہیں چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ چیز جس کی وجہ سے آدمی زیادہ مستحق ہوتا ہے اکرام واحسان کا وہ اس کی بیٹی اور بہن ہے۔ (ابوداود: ۲۱۲۹)

یعنی جس شخص کے نکاح میں جس شخص کی بیٹی ہو یعنی آدمی کا سسر یا اس کی بہن ہو یعنی آدمی کا برادر نسبتی (سالا) یہ دونوں بہت قابلِ اکرام واحسان ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنے سسر اور سالے سے اکرام واحسان کا معامہ کرنا چاہئے۔ اس لیے کہ ان دونوں شخصوں کا بڑا احسان ہے۔ چنانچہ کہاوت مشہور ہے کہ جس نے اپنی بیٹی دے دی اس نے سب کچھ دے دیا۔ بھلا پھر وہ مستحقِ احسان کیوں نہ ہو۔ اکرام سے مراد صرف تعظیم ہی نہیں بلکہ عطا اور بخشش بھی ہے۔

اس حدیث میں حسنِ معاشرت کی بہترین شکل میں تعلیم و تلقین ہے سو جب بیوی کے باپ، بھائی کے ساتھ حسنِ سلوک و احسان کی اس قدر تاکید ہے تو خود بیوی کے ساتھ اس کا مؤکّد ہونا ظاہر ہے۔ (الدر المنضود)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے فرمایا: عائشہ سے؛ پوچھا گیا: مردوں میں سے کس سے ہے؟ فرمایا ان کے والد سے یعنی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے۔ (ابن ماجہ: ۱۰۱)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی بیوی سے محبت کا اظہار کرنے میں کوئی خرابی نہیں ہے بلکہ غائبانہ بھی محبت کا اظہار کرنا چاہیے کیوں کہ جب یہ بات بیوی کو پہنچے گی تو بیوی کو شوہر کی محبت کے صداقت کا یقین ہو جائے گا کیوں کہ غائبانہ میں وہ جھوٹا دعوائے محبت نہیں کرے گا۔

(۸) بلا وجہ بیوی پر شک نہ کرے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میری بیوی نے ایک کالا لڑکا

جنا ہے اور میں نے اس کا انکار کیا ہے تو اس سے آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا: ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے رنگ کیسے ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ سرخ رنگ کے اونٹ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا ان میں خاکستری رنگ کا اونٹ بھی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں ان میں خاکستری رنگ کے اونٹ بھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ رنگ کہاں سے آیا؟ اس نے کہا: کسی رگ نے اس کو کھینچا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ اس بچہ کو بھی کسی رگ نے کھینچا ہو اور آپ ﷺ نے اس بچہ سے انکار کرنے کی اجازت نہیں دی۔ (بخاری ومسلم)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ غیرت وہ بھی ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں اور غیرت وہ بھی ہے جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتے ہیں۔ جس غیرت کو اللہ پسند کرتے ہیں وہ ہے جو محلِ شک میں ہو اور جس غیرت کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتے ہیں وہ ہے محلِ شک میں نہ ہو (خواہ مخواہ ہو)۔ (ابو داؤد)

غیرت کہتے ہیں: آدمی کا اپنی محبوب اور پسندیدہ چیز میں دوسرے شخص کی شرکت کو پسند نہ کرنا۔ جیسے عاشق اپنے معشوق کے بارے میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا اس سے تعلق قائم کرے اور یہ کہ وہ معشوق کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہو۔

اپنی بیوی، یہ کون چاہے گا کہ کوئی دوسرا اس کی طرف دیکھے یا رغبت کرے۔ پس رسول اللہ ﷺ فرمارہے ہیں کہ جو صفت غیرت کی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے وہ غیرت ہے جو واقعی محلِ شک اور محلِ تہمت میں ہو اور وہ غیرت جو مبغوض ہے وہ، وہ ہے جو بے محل ہو خواہ مخواہ اور بلاوجہ۔ بات بالکل صحیح ہے اس لیے کہ جو غیرت بلا وجہ اور بے محل ہوگی وہ تو سراسر سوئے ظن ہے۔ لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے۔ اسی لیے اس کو مبغوض فرمارہے ہیں اور جو غیرت واقعی محلِ شک میں ہو وہ مطلوب اور پسندیدہ ہے۔ (الدر المنصور: ۲/ ۳۹۲)

بیوی کے لیے تعلیمات

(۱) بیوی شوہر کی خدمت کرے اور اس خدمت کو اپنی خوش قسمتی یقین کرے احسان نہ سمجھے: حضرت حسین بن محصن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری پھوپھی نے مجھے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس کسی کام کے سلسلے میں آئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے خاتون! کیا آپ شوہر والی

ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: آپ کا آپ کے شوہر کے ساتھ کیا برتاؤ ہے؟ میں نے کہا: میں (کوئی) کوتاہی نہیں کرتی ہوں (اس کی خدمت کرنے میں اور اس کو راضی رکھنے میں) مگر جس میں عاجز ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری کیا مناسبت اس (شوہر) سے یقیناً وہ تو تیری جنت اور جہنم ہے۔ (السنن الکبریٰ:۱۴۷۰۶)

لہٰذا بیویوں کو جان لینا چاہیے کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک دروازہ ہے، اب چاہے کوئی اس دروازہ کو بند کردے (کہ شوہر کی خدمت کر کے اس کو راضی نہ رکھے) اور جو چاہے اس دروازے کو کھول دے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی بیٹی کو لایا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول یہ میری بیٹی ہے جو نکاح کرنے سے انکار کر رہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے والد کی اطاعت کرو۔ اس لڑکی نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں اس وقت تک نکاح نہیں کروں گی جب تک کہ آپ یہ نہ بتادیں کہ شوہر کا حق بیوی پر کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”شوہر کا حق بیوی پر یہ ہے کہ اگر شوہر کو پھوڑا ہو پس تو چاٹ لے اس کو تو بھی تو نے اس کا حق ادا نہیں کیا۔ (السنن الکبریٰ:۱۴۷۰۷)

(۲) اگر شوہر ناراض ہو جائے تو اس کو منانے میں پہل کرے: نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں جنتی عورتیں نہ بتلاؤں؟ بہت زیادہ بچے جننے والی، اپنے شوہر سے محبت کرنے والی جب وہ شوہر کو تکلیف پہنچائے یا اس کو تکلیف پہنچائی جائے (چاہے غلطی شوہر کی ہو یا بیوی کی) یہ عورت اپنے شوہر کے پاس جا کر کہے: یہ میرا ہاتھ تیرے ہاتھ میں ہے۔ میں اس وقت تک نہیں سوؤں گی جب تک آپ راضی نہ ہو جائیں۔ (المعجم الاوسط)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر عورت اپنے شوہر کے بستر کو چھوڑ کر رات گزارے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں یہاں تک کہ صبح ہو جائے یا عورت شوہر کے بستر پر لوٹ آئے۔ (السنن الکبریٰ:۱۴۷۰۹)

ایک روایت میں ہے: کسی ایسی عورت کے لیے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہو۔ یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں کسی کو اجازت دے جب کہ اُس کا شوہر ناپسند کرے اور نہ وہ (گھر سے) نکلے جب کہ شوہر ناپسند کرے اور نہ ہی وہ شوہر کے معاملے میں کسی اور کی اطاعت

کرے اور نہ اس کے سینے کو کینہ سے بھرے اور نہ ہی اس کے بستر سے علیحدہ ہو اور نہ اس کو چھوڑے۔ اگر شوہر اُس سے زیادہ ظالم ہو تب بھی وہ اس کے پاس آئے یہاں تک کہ وہ اُسے راضی کر لے۔ اگر شوہر اُس کی صلح کو قبول کر لے تو یہ بہت اچھا ہے۔ اللہ بھی اس کا عذر قبول کرے گا، اور اُس کی دلیل کو قائم رکھے گا اور اُس پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ لیکن اگر شوہر راضی نہ ہو، تب بھی وہ (عورت) اللہ کے نزدیک اپنا عذر پیش کر چکی ہوگی۔ (السنن الکبریٰ)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ باہر جانے کے لیے شوہر سے اجازت لے اور کسی ایسے شخص کو جس کا گھر میں آنا شوہر کو ناپسند ہو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے۔ عموماً شہر کی عورتوں کو بالخصوص اسکول کالج کی تعلیم یافتہ خواتین کو گھر سے نکلنے کے لیے شوہر کی اجازت لینا ناگوار گزرتا ہے لیکن خیال رہے، شریعت کی ہر رہنمائی میں بہت سی مصلحتیں پنہاں ہیں۔ چناں چہ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جو خواتین شوہر کی اجازت کے بغیر جب چاہیں گھر سے باہر نکل جاتی ہیں تو کبھی عورت فی الواقع فتنہ کا شکار ہو جاتی ہے یا شوہر کی نگاہ میں بے وقعت ہو جاتی ہے اور معاشرے میں متہم قرار پاتی ہے۔

(۳) اپنے شوہر کی شکر گزار رہے، ناشکری نہ کرے اور شوہر کی طرف سے احسان ہونے پر شکریہ کے الفاظ کہنا مفید ہے: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسی عورت کی طرف نظرِ (کرم) نہیں فرماتے جو اپنے شوہر کی شکر گزار نہ ہو حالاں کہ وہ اس سے بے نیاز نہیں ہے۔ (السنن الکبریٰ ۷۰ / ۱۴)

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے جہنم میں کثرت کی وجہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور شوہر کی ناشکری کو بتایا ہے۔ (بخاری)

لہٰذا عورتوں کو چاہیے کہ زبانی و عملی اپنے شوہر کی احسان مندی کا اظہار کرتی رہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جو بندے کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔ (ترمذی) مرد کو بھی چاہیے کہ وہ عورت کی طرف کسی احسان کو دیکھے تو زبانی طور پر بھی شکریہ کے الفاظ ادا کرے۔

(۴) بوقتِ ضرورت مال سے بھی مرد کی معاونت کرے: ایک مرتبہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا (حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مسئلہ دریافت

کروایا۔آپ ﷺ نے فرمایا کون ہیں؟ کہا گیا کہ زینب۔آپ ﷺ نے پوچھا کون سی زینب؟ کہا گیا اہلیہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔مسئلہ یہ پوچھ رہی ہیں کہ کیا میں اپنے شوہر اور اپنے یتیم بچے پر صدقہ کرسکتی ہوں تو آپ ﷺ نے جواب عنایت فرمایا:اس کے لیے دو اجر ہیں۔قرابت داری کا اجر اور صدقہ کا اجر۔ (بخاری)

اللہ تعالیٰ نے مال کی ذمہ داری مردوں پر ڈالی ہے اس کے شان کے خلاف ہے کہ وہ اپنی بیوی سے ملازمت کروائے اور اس کی ملازمت سے کھائے لیکن کبھی مجبوری پیش آجاتی ہے تو ایسے موقع پر ایک نیک خاتون اپنے مال سے اپنے شوہر کی مدد کرنا اپنے فرض اخلاقی سمجھتی ہے۔

(۵) گھریلو یا دیگر ذمہ داریوں میں شوہر کا ہاتھ بٹانا: حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: زبیر نے مجھ سے نکاح کیا۔ حالاں کہ ان کے لیے زمین میں کوئی مال نہیں تھا اور نہ کوئی غلام اور نہ کوئی اور چیز، علاوہ پانی بردار اونٹنی کے اور علاوہ ان کے گھوڑے کے، پس میں ان کے گھوڑے کو چارہ ڈالتی اور پانی لاتی اور ان کے کوس کو سیتی اور آٹا گوندھتی میں روٹی پکانا اچھی طرح نہیں جانتی تھی، مجھے میری انصاری پڑوسنیں روٹی پکا کر دیتی تھیں اور وہ کھری (بھلی) عورتیں تھیں اور میں اپنے سر پر زبیر کی کھجور کی گٹھلیاں اٹھا کر لایا کرتی تھی اس زمین سے جو ان کے لیے رسول اللہ ﷺ نے عطا کی تھی یعنی بنو قریظہ کے علاقہ میں جائیداد دی تھی اور وہ مجھ سے (مدینہ سے) فرسخ کے دو تہائی فاصلہ پر تھی (ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے) میں ایک دن آئی اس حال میں آئی کہ کھجور کی گٹھلیاں میرے سر پر تھیں۔ پس میں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور آپ کے ساتھ چند انصار تھے۔ آپ ﷺ نے مجھے بلایا۔ پھر فرمایا: اَخ اَخ (اونٹ کو بٹھانے کی آواز) تا کہ مجھے اپنے پیچھے بٹھالیں۔ پس مجھے شرم آئی کہ میں مردوں کے ساتھ چلوں اور میں نے زبیر کو اور ان کی غیرت کو یاد کیا اور وہ لوگوں میں سب سے زیادہ غیرت مند تھے، رسول اللہ ﷺ سمجھ گئے کہ مجھے شرم آگئی۔ چنانچہ آپ چل دیئے۔ پس میں زبیر کے پاس آئی اور کہا: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ملاقات کی درآں حالے کہ میرے سر پر گٹھلیاں تھیں اور آپ کے ساتھ چند صحابہ تھے۔ پس آپ ﷺ نے اونٹ بٹھایا تا کہ میں سوار ہو جاؤں۔ پس میں سوار ہونے سے شرما گئی اور مجھے آپ کی غیرت یاد آئی۔ تو زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: بخدا! تمہارا گٹھلیاں اٹھانا مجھ پر زیادہ سخت تھا تمہارے نبی ﷺ کے ساتھ سوار ہونے سے یعنی

یہ بات میرے لیے ڈوب مرنے کی تھی مگر کیا کروں مجبوری ہے۔ اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد میرے پاس خادم بھیجا جو میری طرف سے گھوڑے کی نگہداشت کے لیے کافی ہوگیا۔ گویا اس نے مجھے آزاد کر دیا۔ (بخاری: ۵۲۲۴)

اس حدیث سے بہت سے سبق ملتے ہیں: (۱) شوہر کو اپنی بیوی سے باہر کے کام کرانے میں غیرت آنی چاہیے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد وغیرہ کی مشغولیت تھی اس وجہ سے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو یہ کام کرنا پڑتا تھا۔ (۲) اگر شوہر کی کوئی مجبوری ہو تو نیک خوش بخت بیوی کی علامت یہ کہ وہ ایسے موقع پر شوہر کو طعنہ دینے اور کوسنے کے بجائے اس کا ساتھ دے اور ضرورت پڑے تو گھر کے باہر کے کام بھی شرعی حدود میں رہ کر انجام دے۔ شوہر کی ذمہ داریوں میں شوہر کی معاون بنے۔ (۳) عورت کو چاہیے کہ وہ شوہر کی غیرت کا خیال رکھے۔ کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے شوہر کو غیرت آئے غصہ آئے یا عار محسوس ہو۔ (۴) عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنی پڑوسی عورت کا کاموں میں ہاتھ بٹائیں۔ اگر کوئی عورت بیاہ ہو کر آئی ہے اور اس کو کھانا بنانا نہیں آتا ہے تو اس کو کھانا بنانا سکھا دیں۔ (۵) اگر باپ بیٹی کو سسرال میں کسی چیز کی کمی دیکھے تو داماد کو موردِ لعن بنانے کے بجائے بیٹی کی اس ضرورت کو پورا کر دے۔ (۶) بیوی شوہر کی تنگی کو برداشت کرے۔ ناشکری کے الفاظ اور ناگوار بات زبان سے نہ نکالے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشۂ جگر کے ہاتھ میں بھی چکی چلانے کی وجہ سے نشانات پڑ گئے تھے۔ (بخاری)

(۶) پیار محبت سے شوہر سے اپنی بات منوائے، نہ کہ ضد، ہٹ دھرمی اور غصہ سے: عورتوں کے بارے میں حدیث شریف میں کہا گیا ہے: ''میں نے کسی ناقصِ عقل اور ناقصِ دین کا کسی ہوشیار دانا آدمی کو زیادہ بے عقل کر دینے والا (اے عورتوں) تمہاری بہ نسبت کسی کو نہیں دیکھا۔''

(بخاری)

ایک عورت منوانے کے پیار بھرے مختلف طریقے استعمال کر کے مرد سے اپنی فرمائش پوری کروا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ ہنر دیا ہے لیکن عموماً بے عقلی میں نفس کا شکار ہو کر ضد اور غصہ کرتی ہیں یا اپنی فرمائش کے پورا کرنے کے لیے لڑائی تک لڑ جاتی ہیں۔

(۷) روزانہ کھانا کیا بنے گا؟ اس کا بار شوہر پر نہ ڈالے بلکہ خود ہی شوہر کے مزاج کا خیال

رکھتے ہوئے کھانا بنالے: روزانہ گھر میں کیا بنے گا یہ ذمہ داری عورت از خود اپنے اوپر لے لے۔ اس سلسلے میں شوہر کو پریشان نہ کرے۔ ہاں کبھی کبھی شوہر کی پسند کو جاننے کے لیے پوچھ لے کہ آج آپ کے لیے کیا بناوں؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ (جو کھایا جائے)۔ ہم نے کہا: نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تب تو میں روزے دار ہوں۔ ایک دوسرے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ہم کو حیس (ایک قسم کا حلوہ) ہدیہ کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لائیے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا اور کہا کہ میں نے صبح روزہ رکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ (پھر آپ کو جب دست یاب ہوا تو روزہ رکھنے کے ارادہ کو ترک فرمادیا)۔

(مسلم: ۱۱۵۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر پر کیا کھانے بنے گا یہ بوجھ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ڈالتی تھیں۔

(۸) اگر شوہر طلاق کا ارادہ رکھتا ہے تو اپنے حقوق معاف کرا کے نکاح میں باقی رکھنے پر مصالحت کرلے: ﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ [النساء:۱۲۸]

ترجمہ: ”اور اگر عورت کو اپنے شوہر سے زیادتی یا بے رُخی کا اندیشہ ہو تو ان دونوں کے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ آپس میں کچھ صلح کرلیں اور صلح (بہر حال) بہتر ہے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا مذکور بالا فرمان اس عورت کے بارے میں نازل ہوا جو کسی مرد کے نکاح میں ہے اور مرد اس کو مزید رکھنا نہیں چاہتا اس کا ارادہ طلاق دے کر کسی اور سے نکاح کرنے کا ہے تو یہ خاتون اس مرد کو کہتی ہے آپ مجھے طلاق نہ دیجئے اپنے نکاح میں روکے رکھیے۔ آپ اخراجات اور باری کے حق میں آزاد ہیں (یعنی میرے یہ حقوق معاف ہیں) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (السنن الکبری للبیہقی: ۱۴۷۲۹، رواہ البخاری ایضا)

طلاق ایک بری چیز ہے۔ مرد بھی بلا ضرورت طلاق نہ دے لیکن اگر مرد طلاق دینے کا ارادہ کرے تو مطلقہ بن کر بیٹھے رہنے کی بنسبت مصالحت کرلینا بہتر ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

بھی ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا لیکن حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر کے آپ کے نکاح میں باقی رہنے پر مصالحت فرمالی تھی۔

(بخاری)

(۹) شوہر کے سامنے بن ٹھن کر، آراستہ پیراستہ ہو کر، عمدہ خوشبو لگا کر، بہترین لباس زیب تن کر کے رکھے: مرد کو بھی چاہیے کہ وہ بھی حسب سہولت عورت کے لیے اچھا لباس پوشاک اور عمدہ وضع قطع رکھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیویوں کے لیے زینت اختیار کروں جیسے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ میرے لیے زیب و زینت اختیار کرے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرة:۲۲۸] ترجمہ: اور جیسے عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں ایسے ہی مردوں پر عورتوں کے حقوق بھی ہیں۔ (السنن الکبریٰ:۱۴۷۲۸)

(۱۰) سوتن کے سلسلے میں مرد کو پریشان نہ کرے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی عورت کے لیے حلال نہیں ہے کہ اپنی بہن یعنی سوتن کی طلاق کا مطالبہ کرے تا کہ اس کے پیالے کو خالی کر دے۔ بے شک اس کے لیے وہی ہے جو اس کے لیے مقدر کیا گیا ہے۔

(بخاری:۴۸۵۷)

———

جماع اور کثرتِ جماع

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک وقت میں اپنی گیارہ بیویوں پر چکر لگاتے تھے۔(بخاری) چکر لگانے سے مراد جماع کرنا، بعض اوقات ایک ہی مرتبہ آخر میں غسل فرماتے۔(معمر کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو بیویوں کے درمیان جماع کرنے سے پہلے وضو تو کرتے تھے۔)

کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک بیوی محترمہ کے پاس سے فارغ ہو کر غسل فرمایا کرتے اور اس عمل کو آپ نے زیادہ ستھرا زیادہ پاک صاف بیان فرمایا۔ (سننِ کبریٰ)

قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنی طاقت رکھتے تھے؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہم آپس میں باتیں کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تیس مَردوں کی قوت عطا کی گئی ہے۔

نوٹ: گیارہ بیویوں سے مراد نو زوجات محترمات اور دو باندیاں ماریہ و ریحانہ، آخرالذکر کے بارے میں کچھ اختلاف ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اپنی زندگی میں گاہے بہ گاہے سفر پر جانے کے وقت یا آنے کے وقت کیا ہے، البتہ اس سے کثرت جماع کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نوادر الاصول میں فرماتے ہیں: انبیاء علیہم السلام نکاح زیادہ کیا کرتے تھے اپنی نبوت کے فضل کی وجہ سے۔ یہ اس وجہ سے کہ نور سے جب سینہ لبالب بھر جاتا ہے تو وہ رگوں میں بہتا ہے جس سے نفس اور رگیں لذت حاصل کرتیں ہیں جس کے نتیجے میں شہوت قوی اور توانا ہوتی ہے۔

ابنِ مُسَیّب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جماع میں بھی لوگوں سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔

یہ بھی حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ، مضبوطی اور نکاح میں چالیس مردوں کی قوت دی گئی تھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مومن کامل کو دس لوگوں کی قوت دی جاتی ہے اور کافر کی قوت صرف شہوتِ طبعیہ ہوتی ہے۔ (حاشیہ سندھی علی سنن النسائی، کتاب عشرۃ النساء)

ایک ہی رات میں اگر کوئی مرد دوسری مرتبہ جماع کرنا چاہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتر یہ قرار

دیا ہے کہ دو جماع کے درمیان ذکر دھو کر وضو کرلے اس لیے کہ یہ عمل نشاط آور ہے۔(سننِ کبریٰ)

اس حدیث کی اشارۃ النص سے بھی کثرت کا جواز مفہوم ہوتا ہے۔

صحابہ میں سلمہ بن صخر البیاضی رضی اللہ عنہ ایک نادار صحابی تھے وہ فرماتے ہیں۔ میں اتنا جماع کرتا ہوں کہ دوسرے اتنا نہیں کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ رمضان کا مہینہ آیا۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں میں جماع میں مشغول ہوؤں اور جماع کرتے کرتے صبح ہی نہ کردوں (جس سے میرا روزہ خراب ہو جائے)۔ اس لیے میں نے اپنی بیوی سے ایک مہینے کا ظہار کرلیا لیکن ایک مرتبہ میری خاتون میری خدمت کررہی تھی۔ اس کا پازیب (یا پازیب کی جگہ) ظاہر ہوگئی۔ پس میں بے بس ہوگیا اور اپنے آپ کو روک نہ سکا چنانچہ بیوی پر آدھمکا۔ (مشکاۃ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''میں اپنے نفس کو جماع پر مجبور کرتا ہوں تاکہ اللہ اس کے ذریعہ سے ایسی جان کو وجود دے جو اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرے''۔

(السنن الکبری للبیہقی: ۱۳۴۶۰)

قرآن وحدیث میں کثرتِ جماع پر نکیر نہیں آئی ہے بلکہ ماہر نفسیات اس کو بہت سی چیزوں کے لیے مفید مانتے ہیں۔

جیسے محبت بین الزوجین، تناؤ اور ڈپریشن کے خطرات کم ہوتے ہیں۔ دل کے لیے بھی مفید اور انسان جوان اور خوش مزاج نظر آتا ہے۔ نیند اچھی آتی ہے وغیرہ یہ اس وقت ہے جب کہ منی کا خروج بیویوں سے ہو اگر غیر فطری طریقہ پر منی کا خروج ہو جیسے مشت زنی، اغلام بازی یا مرض احتلام سے تو یہ نقصان دہ ہے۔ اسی طرح جو آدمی کمزور ہے اس کے لیے بھی زیادہ پانی بہانا مضر ہے۔ اطباء کے کلام کو بھی اسی پر محمول کیا جانا چاہیے۔ یقیناً ہر چیز جب اپنی حد سے بڑھ جائے تو مضر ہوتی ہے۔(كُلُّ شَيْءٍ زَادَ عَنْ حَدِّهِ انْقَلَبَ إِلىٰ ضِدِّهِ)

لیکن کثرت امرِ اضافی ہے ایک توانا جوان عمر کے لیے کثرت کی حد علاحدہ ہوگی ادھیڑ عمر یا ناتواں کے لیے علاحدہ۔

لہٰذا جس شخص کے پاس قوت و توانائی ہے وقت اور عمدہ غذا ہے تو اس کے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ جب رغبت اور اشتہاء محسوس کرے جماع کرلے بلکہ اس کے لیے باعتبار صحت کے یہی مناسب ہے تاکہ بدن میں وہ مادہ جمع باقی نہ رہے جس کا بقا کبھی نقصان بھی دے سکتا ہے۔

جماع میں عورت کا حق

کہتے ہیں کہ جماع میں عورتوں کا بھی حق ہے۔ اصل مجامع (جماع کرنے والا) اگرچہ مرد ہے اور عورت متعلقِ جماع ہے لیکن عورت بھی بابِ مفاعلۃ (مجامعۃ) کی وجہ سے من وجہٍ فاعل ہے۔ اسی حق کی وجہ سے مرد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہیں کرسکتا۔

عزل کہتے ہیں جماع کے وقت مَرد کا منی عورت کی شرم گاہ کے باہر نکالنا۔

عشاء بعد سونے کی تاکید حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے تا کہ نمازِ فجر میں بیداری اور چستی رہے۔ عشاء بعد بیدار رہنے کو ناپسند کیا ہے مگر تین لوگوں کو صراحتاً اجازت دی گئی ہے: نمازی، مسافر اور عروس (دلہا دلہن) کو۔

آپ ﷺ کی بات خدا کی بات ہوتی ہے پھر آپ ﷺ کسی کو ''حق'' کہہ دیں تو اس کی اہمیت کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر تماشا (دل لگی) جو انسان کرتا ہے وہ باطل ہے الّا یہ کہ وہ تیر اندازی کرے۔ اپنے گھوڑے کو سدھائے اور اپنی بیوی سے کھیلے اس لیے کہ یہ سب حق میں سے ہیں''۔ (سنن الترمذی بحوالہ مشکاۃ ۲/۱۱۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ نے جب کہ انھوں نے کم عمری کے باوجود ثیبّہ سے نکاح کیا تھا تو فرمایا تھا: ''کیوں باکرہ سے نکاح نہیں کیا؟ وہ آپ کے ساتھ کھیلتی آپ اس کے ساتھ کھیلتے''۔ (بخاری)

علّامہ مظہری رحمۃ اللہ علیہ شرحِ مشکاۃ میں فرماتے ہیں: جو میاں بیوی میں کھیل، اٹھکلیاں، بوس و کنار، لمس و مس ہوتا ہے۔ یہ شارع کی مرضی ہے اور یہی سنت ہے۔ اس لیے کہ یہ دل لگی، دل بستگی، اُنسیت اور نشاط کا سبب ہے۔ اموشن کو آسمان پر لے جانے والا اور شہوت کو برانگیختہ کرنے والا ہے جو کہ ولادت کا سبب ہے۔ (۴/۱۳)

مرد جس طرح چاہتا ہے کہ اس پر مس وجس (چھونا) ہو اس کے حساس اعضاء پر مساس ہو عورت بھی اس طرح کی خواہش رکھتی ہے۔ ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرۃ:۲۲۸]

ترجمہ: اور جیسے عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں ایسے ہی مردوں پر عورتوں کے حقوق ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: ''کیا مرد

عورت کی شرم گاہ کو اور عورت مرد کے عضو تناسل کو مس کرسکتی ہے؟ تا کہ تحریک ہو، کیا اس میں کوئی حرج ہے؟ تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: کوئی حرج نہیں، میں امید کرتا ہوں کہ ان کو عظیم اجر دیا جائے گا۔"

مرد کی شرم گاہ باہر ہوتی ہے اور عورت کی ذرا اندر کو۔ اس لیے بسا اوقات عورت مرد سے زیادہ ملاعبت کی طلب گار بلکہ محتاج ہوتی ہے تا کہ لذتِ جماع جو اس کا حق ہے اس کو مل سکے۔

ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عورت سے جماع سے پہلے کھیلنا مستحب ہے تا کہ اس کی شہوت بھڑک اٹھے اور جو لذتِ جماع مرد حاصل کر رہا ہے وہ اس کو بھی حاصل ہو۔ (المغنی)

ملاعبت کر کے عورت کو اچھی طرح سے تیار نہ کرنا اور عورت کی تحریک اور نُہُوضِ شہوت کو خاطر میں نہ لانا بسا اوقات عورت کو عملِ جماع سے متنفر کر دیتا ہے۔ (خصوصاً جب شبِ زفاف ہو جو اس کی پہلی رات ہے اس وقت اس کے ساتھ ایسا کیا جائے۔)

مرد کے لیے یہ بھی پسندیدہ ہے کہ وہ اپنی فراغت کی طرح عورت کی فراغت کا بھی انتظار کرے تا کہ عورت بھی مُنزِل (انزال یافتہ) ہو جائے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مرد اپنی بیوی سے جماع کرے تو چاہیے کہ وہ اسے بھی مطمئن کر دے۔ پھر اگر مرد کی خواہش پوری ہوگئی تو جلدی نہ کرے تا آں کہ عورت کی خواہش بھی پوری ہو جائے۔ (مجمع الزوائد)

اس حدیث کی ضمن میں علامہ مُناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر حاجت پوری ہو جائے تو بھی اس سے نہ ہٹے بلکہ مص الشفتین (ہونٹوں کو چوسنے) اور تحریک الثدیین (پستانوں کو حرکت دینے) میں لگا رہے جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ بھی مطلوب تک پہنچ چکی ہے۔ اس لیے کہ یہ حسنِ مباشرت ہے۔ اس کو پاک دامن رکھنا ہے، خوش اخلاقی اور نرم مزاجی ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی مرد سریع الاراقہ ہو (یعنی جلد منی خارج ہو جاتی ہو) اپنی بیوی کے ساتھ ٹھہرنا اس کے بس کی بات نہیں ہے تو وہ امساک کا علاج کرائے اور معجون لے اس لیے کہ یہ مندوب تک پہنچنے کا وسیلہ ہے وَلِلْوَسَائِلِ حُکْمُ الْمَقَاصِدِ یعنی ذرائع و اسباب کا وہی حکم ہوتا ہے جو اصل کا ہے۔ (فیض القدیر)

جماع کے آداب و مسائل قرآن و حدیث کی روشنی میں

(ا) نیت: کسی بھی چیز میں نیت کی بہت اہمیت ہوتی ہے ''نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهِ'' (مومن کی نیّت اس کے عمل سے بہتر ہے۔) بلکہ اعمال کی اعتباریت کا مدار ہی نیت پر ہے۔ اس لیے جماع کی نیت بھی بڑی اور اچھی ہونی چاہیے۔

(الف) استمتاع کی نیت: جماع نام ہی استمتاع کا ہے، صرف استمتاع کی نیت بھی اچھی ہے کہ عورت ''خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا'' ہے اور ''اسْتَمْتَعْتُمْ'' میں اس کی طرف اشارہ بھی ہے۔

علماء فرماتے ہیں یہ نیت ہو: قضاءُ الوطر بنَیل اللذة و التمتع بالنعمة. یعنی حاجتِ طبعیہ کا پورا کرنا حصولِ لذت کے ساتھ اور شہوت وعورت جو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں۔ ان سے جائز اور مناسب طریقہ سے متمتع اور لطف اندوز ہونا۔

الدر المنضود میں ہے: منافعِ نکاح میں سے یہی ایک منفعت ایسی ہے جو جنت میں پائی جائے گی۔ اس لیے کہ جنت میں گو نکاح ہوگا لیکن توالد و تناسل وہاں نہیں ہوگا بلکہ جماع صرف حصولِ لذت و راحت کے لیے ہوگا۔ میں کہتا ہوں نکاح کے اس فائدہ کا حصول اوّل تو محسوس و مشاہد ہے۔ دوسرے احادیث میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔ (الدر المنضود)

(ب) پاک دامنی کی نیت: اپنی اور اپنی بیویوں کی شرم گاہوں کی حفاظت، عفت و پاک دامنی کے حصول کی نیت کرنا۔ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ. (اس لیے کہ یہ نگاہوں کو نیچے کرنے اور شرم گاہ کو محفوظ کرنے والا ہے۔)

ایک حکیم فرماتے ہیں: یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ دین و دنیا دونوں کام اس سے درست ہوجاتے ہیں، اس میں بہت فائدے اور مصلحتیں ہیں، آدمی گناہوں سے بچتا ہے اور دل ٹھکانے لگتا ہے۔ نیت خراب اور ڈانواں ڈول نہیں ہونے پاتی اور بڑی بات یہ ہے کہ فائدے (لذت) کا فائدہ اور ثواب کا ثواب (ہم خورما و ہم ثواب)۔ (بہشتی زیور)

(ج) تحصیلِ نسل کی نیت: اولاد حاصل کرنے کی نیت کرے جو اس کے لیے ذخیرۂ آخرت اور مرنے کے بعد صدقۂ جاریہ ہو اور اس کے لیے دعائے خیر کرے۔

عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ارادہ کیا کہ وہ نکاح نہیں کریں گے تو ان کی بہن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان کو کہا: نکاح کرلو اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ولد

کی نعمت عطا فرمائی اور وہ ولد آپ کے بعد زندہ رہا تو آپ کے لیے دعا کرے گا۔ (سنن کبری:۱۳۴۶۱)

ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اپنے آپ کو جماع پر مجبور کرتا ہوں اس امید سے کہ اللہ تعالیٰ اس جماع کے نتیجے میں ایک جان پیدا کریں گے جو اللہ کی پاکی بیان کرے گا۔ (سننِ کبری)

(د) تکثیر الاسلام والمسلمین کی نیت: تکثیرِ اُمّت پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فخر ومباہات متحقق ہو جائے اس کی نیت کرے۔ کثرتِ تعداد، کثرتِ افراد (مسلمین) کی اہمیت و فائدہ کا اندازہ ہر ایک کو ہے۔عرب جن جن علاقوں کو زیر کرتے رہے وہاں انھوں نے اپنے افراد کو بسایا۔ کثرتِ نساء سے اولاد بھی کثرت سے کیں اور دعوت الی اللہ کے ذریعہ سے بھی تکثرِ ملت کیا۔ اس لیے جہاں جہاں عرب قابض ہوئے آج وہ مسلم اکثریتی ملک ہے اور تعددِ ازدواج وہاں معیوب نہیں ہے لیکن جہاں عجمی مسلمانوں نے فتح کے جھنڈے گاڑے عموماً وہاں مسلمان اقلیت میں رہ گئے حالاں کہ کثرتِ اُمّت مطلوب ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جنم دینے والی خواتین سے نکاح کیا کرو کہ میں تمہاری کثرت کی بنا پر دوسری اُمتّوں پر فخر کروں گا۔ (الحدیث)

کسی کے ماننے والے، اتباع کرنے والے زیادہ ہوں تو یہ خوشی و فخر کی بات ہوتی ہے لیکن اس میں متبعین (مسلمین) کا بھی فائدہ ہے۔ اکثریت ہونے کی وجہ سے ان کا رعب و دبدبہ ہوگا۔ اقلیت میں ہونے کی وجہ سے وہ مقہور و مغلوب نہیں ہوں گے۔

بہر حال ایک عبادت میں جتنی نیت ہو بہتر ہے اور جماع کا عبادت ہونا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے کسی کا اپنی (بیوی، باندی) سے جماع کرنے میں صدقہ کا ثواب ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ہم میں سے کوئی اپنی شہوت پوری کرتا ہے کیا اس میں بھی اجر ملتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذرا بتاؤ اگر وہ حرام کاری کرتا تو اس پر گناہ نہ ملتا؟" (مسلم شریف)

طبرانی میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے دریافت فرمایا: آج کسی کی عیادت کی ہے؟ کہا نہیں۔ دریافت فرمایا کوئی صدقہ کیا ہے؟ کہا کہ نہیں۔ دریافت فرمایا کہ اپنی بیوی سے ہم بستری کی ہے؟ کہا کہ نہیں۔ فرمایا ہم بستری کرلو۔ اس لیے کہ آپ کی طرف سے ان

پر یہ صدقہ ہے۔

راوی کہتے ہیں یہ جمعہ کا دن تھا۔ اس لیے بعض حضرات نے جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو جماع کرنا مستحب قرار دیا ہے۔

(۲)شبِ زفاف میں پہلی ملاقات کے وقت یہ دعا پڑھنا:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِهَا وَخَيْرِ مَا جَبَلْتَ عَلَيْهِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلَتَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: ”اے پردگار! بے شک میں آپ سے اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس چیز کی بھی بھلائی کا سوال کرتا ہوں جس پر تو نے اس کی فطرت بنائی ہے اور آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس کی بُرائی سے اور اس کی خلقت و طبیعت کی بُرائی سے۔“ (سنن ابن ماجہ: ۱۹۹۰)

(۳)جماع کے وقت انزال سے پہلے دل میں یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنِي الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنِيْ.

ترجمہ: اے میرے پروردگار! شیطان سے مجھ کو بچایئے اور اس کو شیطان سے بچایئے جو آپ مجھے عطا فرمائیں (اولاد)۔

آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اگر اس صحبت سے حمل قرار پا جائے تو اللہ تعالیٰ اس بچے پر شیطان کو مسلط نہیں کرے گا یا شیطان اس کو نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۹۹۱)

(۴)جماع سے پہلے دل لگی کی باتیں کرنا، بیوی کے ساتھ اٹھکیلیاں کرنا (ملاعبت کرنا):

جماع سے پہلے عورت سے پیار محبت کی باتیں کرنا اور اس کے بدن سے کھیلنا چاہیے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: میاں بیوی کا پاس بیٹھ کر محبت پیار کی باتیں ہنسی دل لگی میں دل بہلانا نفل نمازوں سے بہتر ہے۔ (بہشتی زیور)

حدیث میں ہے: ہر تماشا (دل لگی) جو انسان کرتا ہے وہ باطل ہے الّا یہ کہ وہ تیر اندازی کرے۔ اپنے گھوڑے کو سدھائے اور اپنی بیوی سے کھیلے اس لیے کہ یہ سب حق میں سے ہیں۔

(سنن الترمذی بحوالہ مشکاۃ ۲/۱۱۹)

(۵)جماع کے وقت مکمل برہنہ ہونا جائز ہے البتہ چادر لے لینا سلیقہ مندی ہے: حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: ننگے ہونے سے بچو۔ اس لیے کہ تمہارے ساتھ وہ (فرشتے) ہیں جو تم سے

جدا نہیں ہوتے۔ مگر بڑے استنجے کے وقت اور جب آدمی اپنی بیوی سے صحبت کرتا ہے۔ (اس وقت ستر کھولنا جائز ہے) پس ان (فرشتوں) سے شرم کرو اور ان کا اِکرام کرو۔ (ترمذی: ۲۸۰۰)

ایک روایت میں ہے: حضرت معاویہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! ہم کہاں ستر کھول سکتے ہیں اور کہاں چھپانا ضروری ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے ستر کی حفاظت کرو مگر اپنی بیوی سے یا اپنی باندی سے۔ انھوں نے دریافت فرمایا: جب لوگ ایک جگہ اکٹھا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تیرے بس میں ہو کہ ستر کو کوئی نہ دیکھے تو ہرگز ستر نہ دکھلا۔ انھوں نے کہا: جب کوئی شخص تنہائی میں ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ ان سے شرم کی جائے یعنی تنہائی میں بھی بے ضرورت ستر نہیں کھولنا چاہیے۔ (ترمذی: ۲۷۹۳)

ابنِ ماجہ شریف کی ایک متکلم فیہ روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے تو ستر کرلے اور جنگلی گدھوں کی طرح برہنہ نہ ہو۔ (ابنِ ماجہ: ۱۹۲۱)

یہ نہی ارشادی ہے اور حکم سلیقہ مندی پر محمول ہے۔

میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے اور لباس کے سامنے ہر ایک کا وجود بے لباس ہوجاتا ہے۔

بعض حضرات اس سلسلے میں بہت تکلف کرتے ہیں اور تجرُّد (برہنہ ہونے) کی نہی کو تحریم یا کراہت کا درجہ دیتے ہیں اور حکمِ تستر کو مؤکّد گردانتے ہیں۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بعد فرماتے ہیں۔

تَفَرَّدَ بِه مِنْدَلُ بْنُ عَلِيٍّ، وَلَيْسَ بِالْقَوِيِّ، وَهُوَ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ ثَابِتاً فَمَحْمُوْدٌ فِي الْأَخْلَاقِ. (کتاب النکاح: ۳۱۳)

(۶) شوہر اور بیوی ایک دوسرے کا ستر (شرم گاہ) دیکھ سکتے ہیں لیکن آدابِ زندگی اور شرم وحیاء کا انتہائی درجہ یہی ہے کہ شوہر اور بیوی بھی آپس میں ایک دوسرے کا ستر (شرم گاہ) نہ دیکھیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت منقول ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ: نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری شرم گاہ کبھی دیکھی اور نہ کبھی میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم گاہ دیکھی۔ (ابن ماجہ: ۱۹۲۲)

(اس حدیث پر ہلکے درجہ کی جرح کی گئی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والے راوی مجہول ہیں۔)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نہ تو یہ تمام بیویوں میں عام ہے اور نہ ہی ان پاک بیویوں پر یہ ممنوع تھا بلکہ طبرانی کی روایت میں ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ میری بیوی میرا ستر دیکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس کو آپ کے لیے اور آپ کو اس کے لیے لباس بنایا ہے اور میری بیوی میرا ستر دیکھتی ہیں اور میں ان کا۔ (حاشیہ سیوطی)

لیکن علامہ سندھی نے ان پر یہ کہہ کر رد کیا ہے کہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ستر کے دیکھنے سے شرم گاہ کا دیکھنا لازم نہیں آتا۔ فتأمّل (حاشیہ سندھی)

ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب فرج میں اِیلاج جائز ہے تو اس کو دیکھنا اور چھونا بھی جائز ہوگا۔

اس سلسلے میں بھی فتویٰ اور عمل میں تشدد برتنا اچھا نہیں ہے۔ لوگوں کو حرام سے بچانے کی ضرورت زیادہ ہے بنسبت غیر اولیٰ سے اجتناب کی تاکید کے۔

بالخصوص ان نوجوانوں کے لیے جن کو شرم گاہ کو دیکھے بغیر طبیعت کو قرار نہ آتا ہو اور وطی پُر لذّت اور اطمینان بخش باقی نہ رہے۔

قَالَ الْكَاسَانِيُّ: مِنْ أَحْكَامِ النِّكَاحِ الصَّحِيْحِ حَلُّ النَّظَرِ والْمَسِّ مِنْ رَأْسِهَا إلىٰ قَدَمَيْهَا حَالَةَ الْحَيَاةِ؛ لِأَنَّ الْوَطْءَ فَوْقَ النَّظَرِ وَالْمَسِّ، فَكَانَ إحْلَالُه إحْلَالاً لِلْمَسِّ والنَّظَرِ مِنْ طَرِيْقَ الْأَوْلىٰ.

علامہ کاسانی فرماتے ہیں: نکاحِ صحیح احکام میں سے ہے، دیکھنے اور چھونے کا حلال ہونا، سر سے قدم تک جب تک بیوی زندہ ہے، اس لیے کہ جماع کرنا دیکھنے چھونے سے بڑھ کر ہے جب جماع حلال ہے تو چھونا بطریقِ اولیٰ حلال ہوگا۔

(۷) کھلے میں پردہ کیے بغیر یا آسمان کے نیچے جماع کرنا: اوپر ذکر کردہ حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ انسان کو اپنا ستر اپنی بیوی اور باندی کے علاوہ کسی پر ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا گھر کے صحن میں یا باغ باغیچے میں یا آسمان کے نیچے آڑ کیے بغیر جماع کرنا جائز نہیں ہے۔

(۸) دوسری بیوی کے سامنے جماع کرنا: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حالت میں اپنی بیوی سے وطی کرنا مکروہ ہے کہ دوسری بیوی اسے دیکھ رہی ہو۔

اس لیے کہ نہ تو یہ تستُّر (ستر پوشی) ہے نہ پسندیدہ اخلاق (طریقہ) ہے اور نہ ہی حسنِ معاشرت ہے حالاں کہ ہمیں حسنِ معاشرت کا حکم دیا گیا ہے۔ (سنن کبری:۱۴۰۹۵)

البتہ اگر کوئی شخص دو بیویوں کے درمیان بیٹھے یا لیٹے یا سوئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دو باندیوں کے درمیان سوتے تھے۔

(سنن کبری:۱۵۰۹۶)

نوٹ: یہ بات واضح ہے کہ باندی اور بیوی کے درمیان فرق ہے۔ اس لیے علماء نے فرمایا ہے: یہ اس وقت جائز ہے جب باری میں خلل واقع نہ ہو اور ایک بیوی پر دوسری بیوی کا ستر ظاہر نہ ہو اور دونوں کی طرف سے اجازت بھی ہو۔

(۹) ناسمجھ (غیر ممیز) بچے کے سامنے جماع کرنا جائز ہے لیکن ناشائستہ عمل ہے: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما جب جماع کا ارادہ کرتے تو گھوارے میں سے بچے کو بھی باہر کر دیتے۔ (سننِ کبریٰ)

لہٰذا جس کے گھر میں وسعت ہے اس کو ایسا کرنا چاہیے۔ ورنہ وہ اس وقت جماع کرے جب بچہ (جو ناسمجھ ہے) سو رہا ہو اور ایسے بچے کے سامنے اس کے بیداری کے وقت بھی جماع کرنا جائز ہے کیوں اس سے یہ امن حاصل ہے کہ وہ اس کو باہر بیان نہیں کرے گا لیکن شائستگی اس میں ہے کہ اس کے سامنے نہ کریں کیوں کہ اگرچہ وہ ناسمجھ ہے لیکن اس کی میموری ان چیزوں کو بھی کیچ کر لیتی ہے اور بسا اوقات اس کا اثر بچہ کے مزاج پر پڑتا ہے۔

(۱۰) جماع کے وقت غیر اختیاری طور پر نکلنے والی آواز، سرسراہٹ کسی دوسرے کے کان تک نہ جائے: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلف اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ ایک مرد ایک بیوی سے جماع کرے اور اس کی آواز دوسری بیوی کو پہنچ رہی ہو۔

غالب نے حسن بصری سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اسلاف ”وجس“ (مراد جماع کے وقت نکلنے والی بدنی سرسراہٹ یا منہ سے نکلنے والی آواز) یعنی یہ آوازیں نہ نکالی جائیں اور اگر غیر اختیاری طور پر نکل گئی تو دوسروں کے کان تک نہ پہنچے۔ (سننِ کبریٰ)

(۱۱) جماع کرتے وقت باتیں کرنا: جماع سے پہلے رفث اور ایسی باتیں جو پیار محبت کی ہوں اور ان سے شہوت برانگیختہ ہو کرنا بہتر ہے۔ عین جماع کے وقت بھی بات کرنا جائز ہے؛ لیکن زیادہ بات کرنا اور بدکلامی کرنا درست نہیں ہے۔

وَأَنْ يَبدَأَ بِالْمُلَاعَبَةِ وَالضَّمِّ وَالتَّقْبِيلِ. وَإِذَا قَضٰى وَطَرَهُ، فَلْيَتَمَهَّلْ لِتَقْضِيَ وَطَرَهَا، فَإِنَّ إِنْزَالَهَا رُبَمَا تَأَخَّرَ. وَيَكْرَهُ الْإِكْثَارُ مِنَ الْكَلَامِ حَالَ الْجِمَاعِ. (الحظر والإباحة: الفقہ الاسلامی وأدلتہ آداب الجماع، ج۴،ص ۲۶۴۵)

قَالَ فِي الْمَدْخَلِ فِي فَضْلِ آدَابِ الْجِمَاعِ وَيَنْبَغِيْ لِلزَّوْجِ أَنْ يَتَجَنَّبَ مَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ النَّاسِ، وَهُوَ النَّخِيرُ وَالْكَلَامُ السَّقْطُ. وَقَدْ سُئِلَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَنْهُ فَأَنْكَرَهُ وَعَابَه، قَالَ ابْنُ رُشْدٍ وَإِنَّمَا أَنْكَرَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ ذٰلِكَ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مِنْ عَمَلِ السَّلَفِ.

ترجمہ: اور یہ بہتر ہے کہ آدمی ہمبستری سے پہلے دل لگی، بغل گیری اور بوس وکنار سے آغاز کرے۔ اور جب اپنی حاجت پوری کر لے تو ذرا ٹھہرے تا کہ عورت بھی اپنی حاجت پوری کر لے، کیونکہ عورت کا انزال بعض اوقات تاخیر سے ہوتا ہے۔ اور جماع کے وقت زیادہ باتیں کرنا مکروہ ہے۔

کتاب المدخل میں آدابِ جماع میں کہا گیا ہے کہ شوہر کو ایسی حرکت سے بچنا چاہیے جو بعض لوگ کرتے ہیں، جیسے زور سے ناک بجانا تیز تیز سانس لے کر (نخیر) یا فضول ولغو کلام کرنا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے اسے ناپسند کیا اور برا کہا۔ ابن رشد نے کہا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اس لیے ناپسند فرمایا کہ یہ سلف صالحین کا عمل نہیں تھا۔

(۱۲) جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن جماع کرنا: حدیث میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی اس بات سے عاجز ہے کہ وہ ہر جمعہ اپنی بیوی سے جماع کرے تو اس کے لیے دو اجر ہے غسل کرنے کا اور اپنی بیوی کو غسل کرانے کا۔ (أخرجہ البیہقی فی شعب الإیمان)

(۱۳) ہم بستری کرنے کا طریقہ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کنواری عورت سے بھی زیادہ حیاء رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر طرح کی تعلیم دی لیکن جو باتیں آپ کے شایانِ شان موافقِ حیاء نہیں تھیں۔ کبھی قرآن نے اشارۃً کہا، کبھی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہنّ نے، تو کبھی صحابہ نے ان کو بیان فرمایا اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جیسے آپ نے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ لَا تَأْتُوا النِّسَآءَ فِي أَدْبَارِهِنَّ. (ابن ماجہ) (اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے حیا نہیں فرماتے۔ تم اپنی بیویوں کے پاس پچھلی راہ میں مت آؤ۔)

طریقہ ہائے جماع ایک ایسا فن ہے کہ ہدایت کی کتاب اس کی جزئیات سے تو بحث نہیں کرسکتی البتہ اصول بیان کرسکتی ہے اور یہ بیان کرنا ضروری بھی ہے۔

آپ صرف اس آیت کی فصاحت وبلاغت، گہرائی وگیرائی، اعجاز وجامعیت پرغور کریں:

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۖ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾ [البقرة:۲۲۳]

ترجمہ: ''تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں تو اپنی کھیتی پر جس طرح چاہو آؤ۔''

تشبیہ پرغور کیجیے! عورت کو کھیتی سے تشبیہ دی۔ کھیتی وہ ہوتی ہے جس میں بیج ڈالنے سے پیداوار ہو۔ جائے حرث (کھیتی) قُبل ہے دُبر تو موضعِ فرث (گندگی) ہے۔ جماع استلذاذ اور استمتاع تو ہے لیکن ہم بستری نرے مزے کا نام نہیں۔ اس سے مقصود ابقائے نسلِ انسانی بھی ہے۔

کہا گیا: ''اَنّٰی شِئْتُمْ'' (جس طرح چاہو آؤ) صماخ (سوراخ) ایک رکھنے کے بعد کتنا عموم رکھا ذرا دیکھو تو صحیح! صاحب ِجلالین -جو خود بہت کم لکھنے کے عادی ہیں- لکھنے پر مجبور ہوگئے: مِنْ قِيَامٍ وَقعودٍ واضطجاعٍ وإقبالٍ وإدبارٍ. کھڑے ہوکر بھی ہم بستری کرسکتے ہو۔ بیٹھ کر بھی، پہلو کے بل لیٹ کر بھی، سامنے سے اُتر کر بھی اور پیچھے سے آ کر بھی۔

یعنی اس آیت میں جو رخصت اور چھوٹ دی گئی اندازہ لگانا مشکل ہے لیکن شرط یہی ہے کہ آنا اپنی کھیتی میں ہے بازو میں جائے محظور سے دور رہنا ہے۔

مصنف ابنِ ابی شیبہ میں ہے:

عن أبي صالح: ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۖ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾ قال : إنْ شئتَ فأتِها مُسْتَلْقِيَةً وإنْ شئتَ فمتحرِّكةً وإنْ شئتَ فباركةً.

(۳۴۸/۳)

ابو صالح اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں اگر آپ چاہیں تو بیوی کو چت لٹا کر جماع کرو۔ چاہے تیز تیز ہلتے ہوئے کرو چاہے گھٹنے کے بل بٹھا کر کرو۔

فتاوی دار الافتاء بنوریہ سے کچھ باتیں کچھ اضافے کے ساتھ نقل کی جاتی ہیں۔

شریعتِ مطہرہ نے بیوی کے پورے بدن سے نفع اٹھانے کی اجازت دی ہے۔ البتہ پچھلے مقام میں صحبت کرنا بیوی سے بھی حرام ہے کہ وہ جماع کرنے کا محل اور مقام ہی نہیں۔ اس لیے

صحبت اگلے حصے ہی میں جائز ہے اور اس کے لیے جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے شریعت میں اس کی ممانعت نہیں۔ البتہ اشارتاً دو طریقے بہتر معلوم ہوتے ہیں۔ (دو طریقے اشارۃ اور ہیں جو ذکر کیے جائیں گے)

پہلا طریقہ: جو ہر جان دار میں فطری طریقہ ہے کہ مرد اوپر رہے اور عورت نیچے ہو۔ اس میں جانبین سے لذت کا حصول زیادہ ہے۔ قرآنِ کریم میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے: ﴿فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا﴾ [الأعراف:۱۸۹] ترجمہ: ”جب مرد نے عورت کو ڈھانپ لیا تو اسے ہلکا سا حمل رہ گیا“۔ (یہاں قرآنِ کریم میں ایک تمثیل بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ بعض حضرات نے اس واقعہ سے حضرت آدم وحضرت حواء علیہما السلام کو مراد لیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔)

فرمایا جب ڈھانک لیا مرد نے عورت کو (اس سے وطی کرنے سے کنایہ کیا گیا ہے) یہ ایک عام اور رائج طریقہ ہے وطی کرنے کا۔ اس کو سب سے زیادہ آسان اور لذت بخش کہا جاتا ہے کہ عورت بستر پر چت لیٹی ہو اور مرد اس کو کچھ اس طرح ڈھانک لے کہ اس کے ہر ہر عضو کے مقابلے میں عورت کا ہر ہر عضو ہو، سینہ کے مقابل میں سینہ اور رُخ کے مقابل میں رُخ۔ مذکورہ طریقہ پر مرد جماع کرتے ہوئے عورت کے بالائی سینے، لب و رخسار اور گردن سے بآسانی استمتاع کرسکتا ہے۔

دوسرا طریقہ: جس کا ذکر حدیث مبارک میں ہے: ”إِذَا قَعَدَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا.“ ترجمہ: ”مرد جب فرج کے چاروں جانب کے درمیان بیٹھ جائے۔ پھر مشقت میں ڈالے عورت کو“۔

اس کی تفسیر میں راجح قول یہ ہے کہ عورت لیٹی ہو اور اس کی ٹانگ اٹھا کر جماع کرے۔ یہ طریقہ حمل ٹھہرانے کے لیے بھی مفید ہے۔

اتحاف السادۃ المتقین میں ہے: ”وأَمَّا أَشْكَالُه: فَأَحْسَنُهَا أَنْ يَعْلُو الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ رَافِعاً فَخِذَيْهَا ...“ الخ

ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ یہ بیٹھ کر جماع کا ایک شاندار طریقہ ہے کہ عورت کی پشت کے نیچے کچھ رکھ کر اونچا کر دیا جائے اور مرد اس کے پیروں کے درمیان دائیں بائیں جانب کر کے، پیر

کے پنجوں کو زمین پر رکھ کر ایڑیوں کے بل کچھ اس طرح بیٹھے جیسے مردانہ پیشاب خانہ میں جو عموماً مسجدوں میں بنے ہوتے ہیں مرد بیٹھتا ہے۔ اب چاہے وہ عورت کے پیروں کو اپنے دونوں کندھوں پر رکھ دے، چاہے دائیں بائیں جانب ہی پھیلے رہنے دے۔ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں حمل کے امکانات بڑھ جاتے ہیں جب کہ پہلی صورت الذّ اور زیادہ سرور آور ہے کیوں کہ مرد وعورت کے جسم ایک دوسرے سے مس کیے ہوتے ہیں۔

تیسرا طریقہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں قریش عورتوں سے کئی طریقہ سے لطف اندوز ہوتے تھے آگے سے آکر، چت لٹاکر، گھماکر، الٹاکر کے، جب ہجرت کا عمل ہوا اور بعض مہاجرین نے انصاری خاتون سے نکاح کیا تو وہ بھی انصاریہ کے ساتھ ایسا ہی کرنے لگے۔ ایک انصاریہ نے منع کیا کہ ہم ایک ہی طریقہ استعمال کرتے ہیں ویسا ہی کریں ورنہ علیحدہ رہیں۔ ان کی یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۖ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾ [البقرۃ:۲۲۳] (مستدرک:۲۸۴۵)

انصاریوں پر یہ اثر یہودیوں کا پڑا تھا وہ کہتے تھے کہ اگر گھما کر پیچھے سے جماع کروگے تو بچہ احول (بھینگا) پیدا ہوگا لیکن یہودیوں کی اس بات کی تردید مشاہدہ بھی کر چکا ہے۔

اس میں بھی ایک طریقۂ جماع کا اشارہ ہے اور وہ گھٹنوں کے بل بیٹھا کر جماع کرنا ہے۔ اس طرح کہ عورت کو گھما کر گھٹنوں کے بل کر دیا جائے اور عورت اپنا چہرہ اور ہاتھ زمین پر رکھ دے۔

چوتھا طریقہ: حدیث میں ہے: إِنَّمَا الطَّلَاقُ لِمَنْ أَخَذَ بِالسَّاقِ. (سنن ابن ماجہ) فرمایا کہ ''طلاق کا حق اس کو ہے جو (بیوی کی) پنڈلی پکڑے''۔ غلام کی بیوی کو آقا، بیٹے کی بیوی کو والدین طلاق نہیں دے سکتے بلکہ طلاق دینے کا اختیار صرف اس کو ہے جو پنڈلی پکڑے یعنی جو اس عورت سے جماع کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

اس میں جماع کرنے کے اس طریقہ کی طرف اشارہ ہے جس میں جماع کرتے وقت شوہر پنڈلی پکڑے۔ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کھڑے ہوکر جماع کرنے کا ایک عمدہ طریقہ ہے جس میں عورت مرد کے نصف اسفل کے مقابل کسی اونچی جگہ پر ہو۔

(۱۴) عزل کرنا: عزل کا مطلب ہے انزال کے وقت مرد اپنی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ سے

نکال کر منی باہر خارج کرے ہمارے زمانے میں کونڈم اس کا متبادل ہے۔

بلا عذر عزل کرنا ناپسندیدہ ہے۔ البتہ اگر عذر ہو تو (آزاد) بیوی کی اجازت سے عزل کرنا بلاکراہت جائز ہوگا اور بعض حالات میں بیوی کی اجازت کے بغیر بھی اس کی گنجائش ہے۔

چند اعذار ذیل میں لکھے جاتے ہیں جن کی موجودگی میں ''عزل'' بلاکراہت جائز ہے:

(۱) عورت اتنی کمزور ہو کہ حمل کا بوجھ اٹھانے کی استطاعت نہ ہو۔ حمل اور دردِ زہ کی تکالیف جھیلنے کی سکت نہ ہو یا بچہ کی ولادت کے بعد شدید کمزوری اور نقاہت لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو ''عزل'' جائز ہے۔

(۲) دو بچوں کے درمیان اس غرض سے مناسب وقفہ کے لیے کہ بچے کو ماں کی صحیح نگہداشت مل سکے اور دوسرے بچے کا حمل ٹھہرنے کی وجہ سے پہلے بچے کے لیے ماں کا دودھ مضر اور نقصان دہ نہ بنے۔

(۳) عورت بد اخلاق اور سخت مزاج ہو اور خاوند اسے طلاق دینے کا ارادہ رکھتا ہو اور اندیشہ ہو کہ بچہ کی ولادت کے بعد اس کی بداخلاقی میں مزید اضافہ ہوجائے گا۔ ایسی صورت میں بلاکراہت عزل جائز ہے۔

(۴) اسی طرح طویل سفر میں ہو یا دار الحرب میں ہونے کی وجہ سے بچے کے جانی یا ایمانی نقصان کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں بھی عزل جائز ہے۔

مذکورہ صورتوں میں عزل کرنے کا ایسا طریقہ اور تدبیر اختیار کرنا درست ہے کہ جس سے وقتی طور پر حمل روکا جاسکے۔ اس طور پر کہ جب چاہیں دوبارہ توالد و تناسل کا سلسلہ جاری رکھا جاسکتا ہو۔ باقی آپریشن کرکے بچہ دانی نکلوانا یا نس بندی کروانا یا کوئی ایسا طریقہ اپنانا جس سے توالد و تناسل (بچہ پیدا کرنے) کی صلاحیت بالکل ختم ہوجائے۔ شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے۔

(دار الافتاء بنوریہ)

عزل کے سلسلے میں روایت مختلف ہیں۔ بعض روایت میں اسے وأدِ خفی (پوشیدہ طور پر درگور کرنا) قرار دیا گیا۔ بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جائز ہے۔ تطبیق اسی طرح ہے کہ اگر یہ کسی غرض صحیح سے ہے تو جائز ہے اور اگر غرضِ فاسد ہو مثلاً مفلسی کا اندیشہ یا لڑکی ہونے سے بدنامی تو ایسی صورت میں عزل ناجائز ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے تحفۃ الالمعی)

(۱۵) جماع کے وقت عورت پر اپنے بدن کا بوجھ نہ ڈالے: زمانۂ جاہلیت میں گیارہ عورتوں نے اکٹھا ہو کر عہد کیا کہ ہم اپنے شوہروں کے بارے میں سچ کہیں گی سچ کے سوا کچھ نہ کہیں گی: ان میں سے ساتویں عورت نے کہا کہ میرا شوہر بہن میرا شوہر! بلکل نکما، اس میں حد سے زیادہ درماندگی اور سستی ہے کسی مرض کی دوا نہیں، ہر کام اس پر بوجھ ہوتا ہے اور وہ بیوی پر بوجھ ڈالنے والا ہے، (یعنی جماع کے وقت اپنی بیوی پر پڑ جاتا ہے، جلد فارغ ہو کر اپنا ڈھیلا ٹھنڈا جسم بیوی پر ڈال دیتا ہے۔ (شمائل ترمذی)

امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امرؤ القیس نے ایک عورت سے نکاح کیا جس کا نام جندب تھا۔ پہلی رات میں رات کا ابھی پہلا ہی حصہ گزرا تھا اس نویلی دلہن نے اپنے شوہر امرؤ القیس کو یہ کہہ کر اٹھایا کہ اٹھو اے بہترین کڑیل جوان! صبح ہوگئی۔ جب اس نے دیکھا کہ ابھی تو رات ہی ہے تو اس نے پوچھا بیگم آپ نے ایسا کیوں کیا؟ بیگم ٹال رہی تھی لیکن یہ بضد تھا تو بیگم نے کہا: لِأَنَّكَ ثَقِيْلُ الصَّدْرِ، خَفِيْفُ الْعَجُزِ، سَرِيْعُ الإِرَاقَةِ، بَطِيْءُ الإِفَاقَةِ.

چار صفات گنوائی: (۱) اس لیے کہ تو سینے پر بھاری ہے یعنی جماع کرتے وقت سینے پر پڑ جاتا ہے (عورت کو جماع کے وقت تھوڑا کھلا کھلا اچھا لگتا ہے تا کہ وہ بھی برابر لذت حاصل کرے اگر مرد عورت پر اپنا پورا وزن ڈال دے تو عورت کا مزہ ختم ہو جاتا ہے۔) (۲) اور تو ہلکی سرین والا ہے۔ (اس سے عورت کو شرم گاہ کے حصہ میں بوجھ محسوس نہیں ہوتا۔) (۳) تیسری بات یہ کہی کہ "تو پانی بہت جلدی بہانے والا ہے"۔ (۴) چوتھی بات اس عورت نے کہی: اس لیے کہ تو افاقہ میں بڑا سست ہے یعنی ایک مرتبہ جماع سے فارغ ہونے کے بعد دوسری مرتبہ تیار ہونے میں بہت دیر لگاتا ہے۔ (زین المحافل)

(۱۶) رات کے آخری حصہ میں جماع کرنا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شروع رات میں سوتے تھے۔ پھر قیام اللیل فرماتے اور جب رات کا اخری حصہ ہوتا تو وتر پڑھتے۔ پھر اپنے بچھونے پر آتے پس اگر آپ کو کوئی حاجت ہوتی تو اس کو پورا کرتے (یعنی جماع فرماتے) پھر جب اذان سنتے تو تیزی سے اٹھتے۔ اگر آپ جنبی ہوتے تو اپنے اوپر پانی بہاتے ورنہ وضو کرتے اور نماز کے لیے نکل پڑتے۔ (سنن النسائی: ۱۶۸۰)

شروع رات میں مرد تھکا ہوتا ہے، اس وقت آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ (ماہرین اور اطباء تکان کے وقت اسی طرح بدن درد، سر درد، بخار کے وقت، بھوکے پیٹ اور بھرے پیٹ جماع نہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔) رات کے آخری حصہ تک اس کی تکان اتر جاتی ہے۔ نشاط طاری ہوجاتا ہے۔ نہ پیٹ بھرا ہوتا ہے نہ بالکل خالی ہوتا ہے۔ اس وقت خود بخود انسان کو جماع کی خواہش ہوتی ہے۔

دن میں بھی جماع کرنا جائز ہے لیکن دن کے مقابلے میں رات میں اللہ تعالیٰ نے نشاط رکھا ہے اسی لیے دن کی نمازیں گونگی (سرّی) اور رات کی جہری ہیں۔ اس لیے اس کام کے لیے رات موزوں ہے۔

(۱۷) ایک مرتبہ جماع سے فارغ ہونے کے بعد دوسری مرتبہ جماع کرنا چاہے تو پہلے وضو کرلے: حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے (یعنی جماع کرلے) پھر لوٹنے کا (دوبارہ جماع کرنے کا) ارادہ ہو تو وضو کرلے۔ اس لیے کہ یہ (وضو کرنا) لوٹنے میں (جماع میں) زیادہ نشاط دے گا۔ (سنن کبریٰ)

لہٰذا بہتر یہ ہے کہ وہ پیشاب بھی کرلے کہ جو منی کے قطرے ذکر کی نالی میں لگے رہ گئے ہوں وہ بھی نکل جائے اور وضو بھی کرلینا چاہیے۔ اگر پیشاب نہ آئے تو صرف شرم گاہ دھولیں، مرد بھی عورت بھی۔ اگر دونوں غسل کرلیں تو نور علی نور کہ پہلے جماع سے جو پسینہ آیا ہوا ہوگا وہ ختم ہوجائے گا اور بدن تر و تازہ ہوجائے گا۔

(۱۸) جماع کرکے غسل کیے بغیر سوجانا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رات میں جنابت لاحق ہوگئی تو حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ذکر کو دھو دو۔ وضو کرلو اور سو جاؤ۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب جنابت کی حالت میں سونے کا ارادہ فرماتے تو شرم گاہ کو دھوتے، وضو کرتے نماز جیسا وضو۔

اگر کوئی شخص وضو نہ کرے تو بھی گناہ نہیں ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ سوئے اس حالت میں کہ آپ جنابت سے تھے اور آپ نے پانی کو نہیں چھوا اور آپ نے بعد میں غسل فرمایا۔ (ابو داؤد: ۲۲۸)

البتہ غسل کرلینا بہتر ہے تاکہ پاک صاف فریش ہوکر سوئے اور فجر کی نماز بآسانی ہوسکے۔

عبد اللہ بن قیس فرماتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: جنابت کی حالت میں کیا کرنا چاہیے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غسل کر کے سوتے تھے یا سو کر غسل کرتے تھے؟ فرمایا: دونوں کیا کرتے تھے کبھی غسل کر کے سوتے کبھی وضو کر کے سوتے۔ عبد اللہ کہتے ہیں میں نے کہا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے معاملہ میں وسعت رکھی۔ (مسلم)

(۱۹) جماع میں عورت کی فراغت کا بھی خیال رکھنا: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مرد اپنی بیوی سے جماع کرے تو چاہیے کہ وہ اسے بھی مطمئن کر دے۔ پھر اگر مرد کی خواہش پوری ہوگئی تو جلدی نہ کرے تا آں کہ عورت کی خواہش بھی پوری ہو جائے۔ [مجمع الزوائد]

اس حدیث کے ضمن میں علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگر حاجت پوری ہو جائے تو بھی اس سے نہ ہٹے بلکہ مص الشفتین (ہونٹ پر بوسہ لینے) اور تحریک الثدیین (پستانوں کو مسلنے) میں لگا رہے جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ بھی مطلوب تک پہنچ چکی ہے۔ اس لیے کہ یہ حسنِ مباشرت ہے اس کو پاک دامن رکھنا ہے خوش اخلاقی اور نرمی مزاجی ہے۔ (فیض القدیر)

المغنی لابن قدامہ میں ہے: وَيَسْتَحِبُّ أَنْ يُلَاعِبَ امْرَأَتَه قَبْلَ الْجِمَاعِ؛ لِتَنْهَضَ شَهْوَتُهَا، فَتَنَالَ مِنْ لَذَّةِ الْجِمَاعِ مِثْلَ مَا نَالَه. وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّه قَالَ: "لَا تُوَاقِعُهَا إِلَّا وَقَدْ أَتَاهَا مِنَ الشَّهْوَةِ مِثْلَ مَا أَتَاكَ، لِكَيْلَا تَسْبِقَهَا بِالْفَرَاغِ.

ترجمہ: مستحب یہ ہے کہ جماع سے پہلے اپنی بیوی کھیلے تا کہ اس کی شہوت بھی بھڑک اٹھے اور وہ ایسی ہی جماع کی لذّت پائے جیسے مرد نے پائی۔ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ عورت میں دخول اس وقت تک مت کرو جب تک عورت شہوت کی اس حد کو نہ پہنچ جائے جس کو مرد پہنچا ہوا ہے تا کہ مرد عورت سے پہلے فارغ نہ ہو جائے۔

(۲۰) جماع کے بعد میاں بیوی کا ایک ساتھ غسل کرنا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے وہ بھی جلدی کرتے میں بھی جلدی کرتی حتی کہ وہ کہتے میرے لیے پانی بچانا۔ میں بھی کہتی کہ آپ میرے لیے پانی بچانا۔ ایک روایت میں ہے کہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتیں کہ میرے لیے پانی بچایئے میرے لیے چھوڑیے۔ (بخاری)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت نبی کریم ﷺ اپنی بیویوں کے ساتھ ملاطفت، نرم مزاجی اور خوش اخلاقی سے رہتے تھے۔ اگر آگے پیچھے غسل کرنا ہے تو بہتر یہ ہے کہ مرد پہلے غسل کر لے اور اگر عورت پہلے غسل کر لے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ مرد وعورت دونوں کو چاہیے کہ وہ پاکی اور صفائی دونوں کا خیال رکھے۔

(۲۱) غسل خانہ میں نہاتے ہوئے جماع کرنا جائز ہے لیکن خلاف ادب ہے: بیوی رکھنے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ مرد/عورت کو جب خواہش ہو تب حاجت پوری کر لی جائے۔ ممکن ہے مرد کو اس وقت خواہش کی شدت ہو جب اس نے اپنی بیوی کو نہاتا دیکھ لیا ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ایک خاتون کو دیکھا۔ آپ اپنی بیوی زینب (رضی اللہ عنہا) کے پاس آئے اس حال میں کہ وہ دباغت کے لیے چمڑے کو رگڑ رہی تھیں۔ (اس وقت) آپ نے اپنی حاجت پوری کی۔ پھر آپ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے۔ (یعنی اس کے آنے پر شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اور فتنہ میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے) پس جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو دیکھ لے، تو وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور جماع کر لے اس لیے کہ جماع کرنا ختم کر دیتا ہے اس کو جو اس کے نفس میں واقع ہو گیا ہے۔ (مسلم: ۱۴۰۴)

(۲۲) مرد کی اگر کسی پرائی عورت پر نظر پڑ گئی، جو اس کو اچھی لگی اور اس کی طبیعت میں میلان ہوا تو مرد کے لیے مستحب ہے کہ وہ گھر آ کر جماع کر لے: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت نبی کریم ﷺ نے ایک عورت کو دیکھا جو آپ کو بھلی لگی۔ آپ سودہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس تشریف لائے جو خوشبو بنا رہی تھیں۔ ان کے پاس عورتیں جمع تھیں۔ ان عورتوں نے آپ کے لیے خلوت کر دی۔ آپ نے اپنی ضرورت پوری فرمائی۔ پھر آپ نے فرمایا: کہ جس شخص کی نگاہ کسی ایسی عورت پر پڑے جو اس کو پسند آ جائے تو اس کو اپنی بیوی کے پاس چلے جانا چاہیے۔ اس لیے کہ اس کی بیوی کے پاس بھی وہی ہے جو اس عورت کے پاس ہے۔ (دارمی، مشکاۃ: ۲۹۷۴)

شارحِ مسلم امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے کسی عورت کو دیکھا جس کی وجہ سے اس کو شہوت بھڑکی۔ اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنی بیوی یا باندی کے پاس آئے اور ان

سے جماع کرے تا کہ اس کو شہوت پوری ہو اور دل پُرسکون ہو۔ (شرح مسلم)

(۲۳) دن یا رات کے کسی وقت عورت کام میں مشغول ہو اور مرد جماع کا تقاضا کرے تو عورت کو اطاعت کرنا لازم ہے: حضرت طلق بن علی سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو حاجت پوری کرنے کے لیے بلائے تو بیوی کو چاہئے کہ اس کے پاس جائے خواہ وہ تنور پر مصروف ہو۔ (ترمذی، مشکاۃ:۳۲۵۷)

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: عورت، اللہ کا حق جو اس پر ہے تمام کا تمام ادا نہیں کرسکتی جب تک کہ وہ شوہر کا حق، جو اس پر ہے تمام کا تمام ادا نہ کردے۔ اگر وہ عورت کی ذات کو طلب کرے اس حال میں کہ وہ اونٹ پر سوار ہے تو چاہیے کہ عورت اپنے آپ کو مرد کے سپرد کردے (یعنی اطاعت کرے)۔ (ابن ماجہ)

ان حدیثوں سے پتا چلتا ہے کہ دن میں جماع کرنا جائز ہے اگرچہ عورت ایسے کام میں مشغول ہو جس کا چھوڑنا مضر نہیں ہے۔ اس لیے کہ مرد پر کبھی اس قدر شہوت غالب آجاتی ہے جس میں تاخیر اس کے بدن، دل یا نگاہ کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ (شرحِ مسلم)

(۲۴) عورت کس وقت جماع سے منع کرسکتی ہے؟ عورت حیض یا نفاس سے ہو یا روزہ، احرام، اعتکاف میں ہو یا بیمار ہو کہ جماع اس کو نقصان دہ ہو یا کثرت جریان یا کسی اور وجہ سے اتنی کمزور ہو کہ جماع کی طاقت نہیں رکھتی تو ایسی صورت میں اس کے لیے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ اپنے شوہر کو اپنی تکلیف بتلادے اور اپنے ساتھ جماع نہ کرنے کا کہے اور شوہر کو بھی عورت کی صحت کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ زبردستی نہیں کرنی چاہیے۔ تاہم بلاعذر شوہر کو روکنا جائز نہیں ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: اگر عورت ناتواں ہے کمزوری کی وجہ سے جماع برداشت نہیں کرسکتی ہے یا مرد کے آلہ کے طویل فربہ ہونے کی وجہ سے استطاعت نہیں رکھتی تو عورت کو شوہر کے سپرد کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ (۲۰۳/۳)

(۲۵) مرد اس طرح جماع نہ کرے کہ عورت کو نقصان ہو: جذبۂ شہوت میں یا تسکین کے خاطر کبھی شوہر عورت کو یا عورت شوہر کو دانتوں سے کاٹتے ہیں جو تکلیف دہ ہو لذت بخش نہ ہو یا مرد سختی سے اس قدر زور زور سے ہل کر جماع کرے کہ جس سے عورت کو نقصان پہنچے۔ اس طرح کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر عورت کو آہستہ کاٹنا جس سے وہ لذت محسوس کرے اور

تیز تیز جماع کرنے کی چاہت محسوس کرے تو کوئی حرج نہیں۔

شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے اس طرح جماع کیا کہ وہ مر گئی یا اگلی اور پچھلی راہ کے درمیان کی ہڈی ٹوٹ گئی تو اگر بیوی چھوٹی ہو یا اس پر زبردستی کی گئی ہو یا جماع کی طاقت نہیں رکھتی تھی تو اس مرد پر بالاتفاق دیت آئے گی۔ اس مسئلہ سے معلوم ہوا کہ اس طرح جماع کرنا جائز نہیں ہے کہ عورت کا نقصان ہوجائے اور اگر کوئی لمبے ذکر والا ہے تو اس کے لیے اتنا دخول جائز ہوگا جو قابلِ برداشت ہو یا معتدل الخلقت مرد کے آلہ کے بقدر دخول کرے۔ (شامی: ۳/۲۰۴)

(۲۶) عورت اگر جماع کا مطالبہ کرے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس طرح مجھے یہ پسند ہے کہ میری بیوی میرے سامنے صاف ستھری زیب و زینت کے ساتھ رہے اسی طرح میں بھی کوشش کرتا ہوں کہ اس کے سامنے بن سنور کر رہوں۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [البقرۃ:۲۲۸] ترجمہ: اور جیسے عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں ایسے ہی مردوں پر عورتوں کے حقوق بھی ہیں۔ لہٰذا جس طرح مرد اپنی شہوت عورت سے پورا کرکے اپنی شرم گاہ اور نگاہوں کو محفوظ کرتا ہے اور دل و دماغ کو ٹھکانے لگاتا ہے اسی طرح عورت بھی ان چیزوں کی محتاج ہوتی ہے۔

بعض اجڈ لوگ اس بات کو ناپسند سمجھتے ہیں کہ عورت از خود جماع کا مطالبہ کرے اور اس کو بے ادبی و بے شرمی شمار کیا جاتا ہے یا زیادتی کرتے ہوئے عورت کے ماضی کو مشکوک سمجھ لیا جاتا ہے۔ یہ درست نہیں ہے نادانی اور جہالت ہے۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عورت کے لیے حق ہے کہ وہ جماع کا مطالبہ کرے۔ اس لیے کہ مرد کا اس سے ہم بستری کرنا اس کا حق ہے جیسا کہ یہ عورت کا بھی حق ہے۔ اب اگر عورت ایک مرتبہ مطالبہ کرے تو شوہر کے ذمہ قضاءً لازم ہے کہ اس سے جماع کرے اور ایک مرتبہ کے علاوہ قضاءً تو لازم نہیں ہے لیکن دیانتاً لازم ہے۔ بعض نے کہا کہ قضاءً بھی لازم ہے۔

(البدائع الصنائع)

علماء فرماتے ہیں کہ جب عورت جماع کا مطالبہ کرے تو مرد کے لیے بہتر ہے کہ وہ جماع کے ذریعہ اسے فارغ کرے۔ البتہ مرد کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بنایا جائے گا۔

کیوں کہ جماع کا مدار نشاط پر ہے مرد کو نشاط ہو گا تو انتشار ہو گا اور وہ جماع پر قادر ہو گا جب کہ عورت بغیر نشاط کے بھی جماع کرواسکتی ہے اس لیے مرد کے مطالبہ کے وقت اس پر اجابت لازم ہے۔

(۲۷) کتنی مرتبہ جماع کرے؟: واضح رہے کہ شریعتِ مطہرہ میں ازدواجی تعلقات کے لیے کوئی میعاد مقرر نہیں کی گئی ہے، بلکہ یہ بات میاں بیوی کی باہمی رضامندی اور طبیعت کے نشاط پر چھوڑ دی گئی ہے۔ لہٰذا شوہر کو چاہیے کہ وہ اپنی قوت اور طاقت کے مطابق حتی الامکان بیوی کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرے۔ اِس میں کوتاہی نہ کرے۔شوہر بیوی کی رعایت رکھے اور بیوی کو چاہیے کہ وہ شوہر کی رعایت رکھے۔

حضرت حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں جس کو طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے کہ آزاد عورت سے چار دن میں ایک مرتبہ اور باندی سے سات دن میں ایک مرتبہ جماع کرلینا چاہیے۔ اگر یہ طاقت سے زیادہ ہو تو لازم نہیں ہوگا لیکن ظاہری مذہب یہ ہے کہ وہ عورت کے ساتھ رات گزارے اور گاہے بگاہے ہم بستری کر لے۔(شامی:۳/۲۰۳)

(۲۸) ایک بیوی سے جماع روک کر دوسری بیوی کے لیے جماع کی قوت محفوظ کرنا تا کہ دوسری بیوی سے لذت زیادہ محسوس ہو؟ یہ درست نہیں ہے۔

مالکی فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ ایک بیوی سے جماع نہ کرنا اس غرض سے کہ دوسری بیوی کے لیے طاقت وافر ہو اور لذت کامل، یہ درست نہیں ہے۔ (قَالَهُ الْخَلِيْلُ فِي مُخْتَصَرِهِ)

(۲۹) حاملہ اور مرضعہ بیوی سے جماع کرنا؟ ایامِ حمل میں بیوی سے جماع کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ جو طریقہ اس کے مناسب اور آسان ہو وہ طریقۂ جماع اختیار کرنا چاہیے۔

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنین (پیٹ میں موجود بچہ) کو کھیتی (پیداوار) اور منی کو پانی سے تشبیہ دی ہے (سنن ابی داؤد) اور پانی تو پیداوار کو فائدہ ہی پہنچاتا ہے۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وطی (جنین کی) سماعت و بصارت کے اندر زیادتی کرتا ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (جنین کے) بال اس سے بڑھتے ہیں۔ (شامی:۳/۴۹)

البتہ اگر بچہ دانی کمزور ہو یا عورت کو پیٹ کے نیچے کے حصہ میں تکلیف ہو یا اور کچھ ضرر

کا اندیشہ ہو تو جماع سے رکنا چاہیے۔

اسی طرح رضاعت (دودھ پلانے) کی مدت میں بیوی سے ہم بستر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے غیل (مدّتِ رضاعت میں جماع کرنے سے) منع کرنے کا ارادہ فرمایا مگر جب آپ کو بتایا گیا کہ فارس و روم والے ایسا کرتے ہیں اور یہ ان کی اولاد کے لیے نقصاندہ نہیں ہوتا (تو آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔) (مسلم)

(۳۰) رمضان میں بیوی سے مقاربت کا حکم؟ ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ﴾ [البقرۃ:۱۸۷]

ترجمہ: ”تمہارے لیے حلال کردیا گیا ہے کہ روزوں کی رات میں تم اپنی بیویوں سے بے تکلف صحبت کرو۔“

شروع شروع میں حکم یہ تھا کہ اگر کوئی شخص روزہ افطار کرنے کے بعد سو جائے تو اس کے لیے رات کے وقت بھی نہ کھانا جائز تھا نہ جماع کرنا۔ بعض حضرات سے اس حکم کی خلاف ورزی سرزد ہوئی اور انھوں نے رات کے وقت اپنی بیویوں سے جماع کرلیا۔ ان کی معافی کا اعلان کرکے یہ پابندی اٹھادی گئی۔ البتہ دن میں روزے کی حالت میں جماع کرنا جائز نہیں ہے لیکن اپنی بیوی سے کھیلنے اور بوس وکنار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس شخص کے لیے جو اس بات سے مطمئن ہے کہ اس سے جماع کا صدور نہیں ہوگا۔

حضرت نبی کریم ﷺ روزے کی حالت میں اپنی زوجہ محترمہ سے بوس وکنار فرماتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ اپنی خواہش پر زیادہ قابو یافتہ تھے۔ (مسلم:۱۱۰۶)

روزے کی حالت میں بوس وکنار کی وجہ سے اگر منی خارج ہوجائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔ قضا لازم آئے گی۔ اگر اس دوران جماع ہوگیا تو قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم آئے گا۔ (فتاوی ہندیہ)

خود پر اعتماد نہ ہو یا جوان ہو تو روزے کے دوران بوس وکنار سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(۳۱) حیض یا نفاس کی حالت میں بیوی سے مقاربت کرنا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

جب ہم میں سے کوئی بیوی حائضہ ہوتی اور رسول اللہ ﷺ اس کو ساتھ لٹانا چاہتے تو اس کو حکم دیتے کہ حیض کے شروع دنوں میں تہبند باندھ لے۔ پھر اس کو لٹاتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اور تم میں سے کون اپنی خواہش پر ایسا قابو کرسکتا ہے جتنا نبی ﷺ اپنی خواہش پر قابو

رکھتے تھے؟ (بخاری:۳۰۲)

ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا: میری بیوی جب حیض کی حالت میں ہو تو میرے لیے کیا حلال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چاہیے کہ عورت ازار باندھے پھر آپ کا کام عورت کے اوپری حصہ پر ہے۔ (موطا:۱۲۶)

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ حائضہ سے سب کچھ کر سکتے ہیں سوائے جماع کے۔

فقہائے احناف نے از روئے احتیاط ناف کے نیچے سے استمتاع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حیض کی حالت میں بیوی سے جماع کرنا حرام و ناجائز ہے۔

اگر کسی سے جماع کا ارتکاب ہو جائے تو توبہ کرلے اور بہتر یہ ہے کہ اس کے بعد بطور کفارے کے کچھ صدقہ کریں تا کہ نیکی سے گناہ دھل جائے۔ استطاعت ہو تو ایک دینار (۴ء۳۷ گرام سونا) یا آدھا دینار یا اس کی قیمت کے بقدر پیسے صدقہ کر دیے جائیں کیوں کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے حیض کی حالت میں ہم بستری کرے اسے چاہیے کہ ایک یا آدھا دینار صدقہ کر دے۔ (ترمذی)

(۳۲) مشت زنی کرنا اور مرد یا عورت کا جنسی کھلونے (آلات) استعمال کرنا؟ قرآن میں ہے: ﴿فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴾ [المؤمنون:۷]

ترجمہ: ”ہاں، جو (اپنی شہوت پوری کرنے کے لیے) ان دو کے علاوہ کے طلب گار ہوں تو وہ حد سے گزر جانے والے ہیں۔“

یعنی بیوی اور شرعی کنیز کے سوا کسی اور طریقہ سے اپنی جنسی خواہش پوری کرنے کی کوشش کرنا حرام ہے۔ (آسان ترجمہ قرآن)

کئی احادیث میں اس فعلِ بد پر وعیدیں وارد ہوئی ہیں اور اس فعل کے مرتکب پر لعنت کی گئی ہے اور ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سات لوگ ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ گفتگو فرمائیں گے اور نہ ان کی طرف نظر کرم فرمائیں گے اُن میں سے ایک وہ شخص ہے جو اپنے ہاتھ سے نکاح کرتا ہے (یعنی مشت زنی کرتا ہے)۔ (شعب الایمان:۷/۳۲۹)

یہی حکم ان جنسی کھلونوں کا ہے جو مرد کے لیے بنائے گئے ہیں کہ مرد اس میں دخول کر کے لذت حاصل کرے اور منی خارج کرے۔

عورت کا انگلی سے یا کسی اور چیز سے فرج کو سہلانا یا کوئی مصنوعی جنسی آلہ (مشین) فرج میں داخل کر کے لذت حاصل کرنا اور شہوت پوری کرنا جائز نہیں ہے۔

البتہ اگر کبھی ایسی صورتِ حال پیدا ہوگئی کہ زنا میں مبتلا ہونے کا یقین ہو جائے اور اس سے بچنے کے لیے کسی نے یہ عمل کر لیا تو یہ زنا جیسے کبیرہ گناہ سے کم درجہ کا ہے۔

ایک نوجوان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: میں نوجوان لڑکا ہوں شدید شہوت محسوس کرتا ہوں۔ پس میں اپنے ذکر کو رگڑتا ہوں تا آں کہ انزال ہو جاتا ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ زنا سے بہتر ہے اور باندی سے نکاح کرنا اس سے بہتر ہے۔ (سنن کبریٰ: ۱۴۱۳۳)

(۳۳) بیوی کے ہاتھ سے مشت زنی کروانے کا حکم؟ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۵ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ﴾

[المؤمنون: ۵-۶]

ترجمہ: ”جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔سوائے اپنی بیویوں اور باندیوں کے کہ (اس میں) ان پر کوئی ملامت نہیں۔“

ابنِ حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: منی کا جماع کے بغیر نکالنا کبھی حرام ہوتا ہے جیسے اپنے ہاتھ سے نکالنا کبھی مباح ہوتا ہے جیسے اپنی بیوی کے ہاتھ سے نکالنا۔

شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مرد عورت سے ہر طریقہ سے متمتع ہو سکتا ہے حتی کہ عورت کے ہاتھ سے مشت زنی کے ذریعہ سے بھی۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بیوی کے جز سے فائدہ اٹھانا جائز ہے جیسے دونوں رانوں کے درمیان ذکر رگڑ کر یا پیٹ پر رگڑ کر منی خارج کرنا۔ (شامی: ۲/۳۹۹)

(۳۴) بیوی کے دو پستانوں کے درمیان یا دو رانوں کے درمیان ذکر داخل کر کے منی خارج کرنا؟ مذکورہ عمل کی آپسی رضامندی سے گنجائش ہے۔قرآن میں ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۵ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ﴾

[المؤمنون: ۵-۶]

ترجمہ: ”جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔سوائے اپنی بیویوں اور باندیوں کے کہ (اس میں) ان پر کوئی ملامت نہیں۔“

مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ عورت کے تمام بدن کو چھوئے اسی طرح اپنے ذکر کو تمام بدن میں لگا سکتا ہے۔ اسی طرح عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ مرد کے تمام بدن کو ہاتھ لگائے۔

فتاوی شامی میں ہے:يَجُوْزُ لَه أَنْ يَلْمِسَ بِجَمِيْعِ بَدَنِه حَتّٰى بِذَكَرِه جَمِيْعَ بَدَنِهَا إِلَّا مَا تَحْتَ الْإِزَارِ فَكَذَا هِيَ لَهَا أَنْ تَلْمَسَ بِجَمِيْعِ بَدَنِهَا إِلَّا مَا تَحْتَ الْإِزَارِ جَمِيْعَ بَدَنِه حَتّٰى ذَكَرَه. (کتاب الحیض، ج:۱، ص:۲۹۳، ط:سعید)

مناسب یہ ہے کہ ہم بستری بھی بہتر طریقہ پر ہو۔ ”اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو عمدہ طریقہ پر کرنا طے کر دیا ہے۔“ (مسلم)

لہٰذا بیوی سے کھیلتے وقت بھی اس کا لحاظ رکھیں۔ بلند اخلاق کو یہاں بھی نہ بھولیں۔ کوئی ایسا طریقہ بھی نہ کیا جائے جس میں بیوی کو ہتکِ عزت محسوس ہو اور ان لوگوں کی نقالی بھی نہ کیا جائے جن کی فطرت ہی پلٹ دی گئی ہے۔

(۳۵) عورت کی شرم گاہ میں انگلی ڈالنا، اس کی شرم گاہ کو ہاتھ سے سہلانا یا بظر سے کھیل کر عورت کو لذت دینا جائز ہے۔ بالخصوص اس شخص کے لیے ایسا کرنا بہتر ہے جو سریع الانزال ہو اور عورت کے انزال تک اس کا ٹھہرنا دشوار ہو۔

فتاوی میں ہے: بیوی کو شہوت دلانے اور اسے برانگیختہ کرنے کے لیے اس کی شرمگاہ میں انگلی داخل کرنے کی گنجائش ہے۔ اسی طرح مرد انگلی کی جگہ کوئی جنسی کھلونا فرجِ خارج پر استعمال کرے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ ہاں عورت خود نہیں کر سکتی ہے۔

فِي الموسوعةِ الفقهيَّةِ الكُوَيْتِيَّةِ جاءَ: ”لَمْسُ فَرْجِ الزَّوْجَةِ: اتَّفَقَ الفُقَهَاءُ عَلَى أَنَّهُ يَجُوزُ لِلزَّوْجِ مَسُّ فَرْجِ زَوْجَتِهِ. قالَ ابنُ عابدينَ: سَأَلَ أَبُو يُوسُفَ أَبَا حَنِيفَةَ عَنِ الرَّجُلِ يَمَسُّ فَرْجَ امْرَأَتِهِ وَهِيَ تَمَسُّ فَرْجَهُ لِيَتَحَرَّكَ عَلَيْهَا، هَلْ تَرَى بِذٰلِكَ بَأْسًا؟ قالَ: لَا، وَأَرْجُو أَنْ يَعْظُمَ الأَجْرُ.

وقالَ الحَطَّابُ: قَدْ رُوِيَ عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ قالَ: لَا بَأْسَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى الفَرْجِ فِي حَالِ الجِمَاعِ، وَزَادَ فِي رِوَايَةٍ: وَيَلْحَسَهُ بِلِسَانِهِ، وَهُوَ مُبَالَغَةٌ فِي الإِبَاحَةِ، وَلَيْسَ كَذٰلِكَ عَلَى ظَاهِرِهِ.

وقالَ الفَنَّانِيُّ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ: يَجُوزُ لِلزَّوْجِ كُلُّ تَمَتُّعٍ مِنْهَا بِمَا سِوَى

حَلْقَةِ دُبُرِهَا، وَلَوْ بِمَصِّ بَظْرِهَا، وَصَرَّحَ الحَنَابِلَةُ بِجَوَازِ تَقْبِيلِ الفَرْجِ قَبْلَ الجِمَاعِ، وَكَرَاهَتِهِ بَعْدَهُ." (الاحکام المتعلقۃ بالفرج، ج: ۳۲ ص: ۹۱ ط: وزارۃ الأوقاف و الشئون الإسلامیۃ)

ترجمہ: ''بیوی کے فرج کو چھونا''فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شوہر کے لیے بیوی کے فرج کو چھونا جائز ہے۔

ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اگر آدمی اپنی بیوی کے فرج کو چھوئے اور بیوی اس کے فرج کو چھوئے تا کہ اس پر شہوت پیدا ہو تو کیا آپ اس میں کوئی حرج سمجھتے ہیں؟ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''نہیں اور مجھے امید ہے کہ اس پر بڑا اجر ملے گا۔''

خطاب مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''جماع کی حالت میں فرج کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔'' اور ایک روایت میں اضافہ کیا: ''بلکہ اسے زبان سے چاٹنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔'' یہ جواز میں مبالغہ ہے لیکن اس کا ظاہری مطلب مراد نہیں۔

فنانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ''شوہر کے لیے بیوی سے ہر طرح کے تمتع کا جواز ہے۔ سوائے دبر کے مقام کے۔ چاہے وہ بظر کو منہ سے چوسنے کی صورت ہی کیوں نہ ہو۔''

حنابلہ نے تصریح کی ہے کہ جماع سے پہلے فرج کو بوسہ دینا جائز ہے۔ البتہ جماع کے بعد اسے مکروہ قرار دیا ہے۔

(۳۶) میاں بیوی کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو چومنا: ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾

[الأعراف: ۱۵۷] ترجمہ: ''وہ گندی چیزوں کو حرام قرار دیں گے۔''

میاں بیوی کا ایک دوسرے کی شرم گاہ کو منہ لگانا شرعی مزاج اور فطری حیا کے منافی اور ممنوع ہے۔

فتاوی رحیمیہ میں ہے: ''بیشک شرم گاہ کا ظاہری حصہ پاک ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر پاک چیز کو منہ لگایا جائے اور منہ میں لیا جائے اور چاٹا جائے۔ ناک کی رطوبت پاک ہے تو کیا ناک کے اندرونی حصے کو زبان لگانا۔ اس کی رطوبت کو منہ میں لینا پسندیدہ چیز ہوسکتی ہے؟ تو کیا اس کو چومنے کی اجازت ہو گی؟ نہیں ہر گز نہیں۔ اسی طرح عورت کی شرمگاہ کو چومنے اور زبان لگانے کی اجازت

نہیں۔سخت مکروہ اور گناہ ہے۔غور کیجئے! جس منہ سے پاک کلمہ پڑھاجاتاہے۔قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے۔درود شریف پڑھاجاتاہے اس کوایسے خسیس کام میں استعمال کرنے کو دل کیسے گوارا کرسکتاہے؟'' [فتاویٰ رحیمیہ،۱۰/۱۷۸،ط:دارالاشاعت کراچی]

مرد کے لیے اپنے عضو مخصوص کو عورت کے منہ میں دینا اور عورت کا اپنے منہ میں لینا شرعاً مکروہ اور منع ہے، جس پاکیزہ زبان سے اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے۔قرآنِ کریم کی تلاوت کی جاتی ہے اسے ایسے کاموں میں استعمال کرنا مہذب انسان کا کام نہیں بلکہ یہ جانوروں کا فعل ہے۔ اس سے بچنا چاہئے اور شرم گاہ سے نکلنے والی مذی یا ودی کو نگلنا ناپاک ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے۔

البتہ ہمبستری کے دوران اپنی بیوی کی ٹانگوں اور رانوں کو چوم اور چوس سکتے ہیں۔نجاست کی جگہ سے منہ اور زبان کو پاکیزہ رکھا جائے گا۔ تاہم اگر کبھی جوش میں آ کر کسی سے یہ فعل سرزد ہو جائے (اور منہ میں ناپاکی نہ جائے) تو امید ہے کہ گناہ نہیں ہوگا۔

المحیط البرہانی میں ہے:''إِذَا أَدْخَلَ الرَّجُلُ ذَكَرَهُ فِي فَمِ امْرَأَتِهِ فَقَدْ قِيلَ: يُكْرَهُ؛ لِأَنَّهُ مَوْضِعُ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ، فَلَا يَلِيقُ بِهِ إِدْخَالُ الذَّكَرِ فِيهِ، وَقَدْ قِيلَ بِخِلَافِهِ.'' (۵/ص۴۸۰)[از دار الافتاء بنوری]

(۳۷)دبر (پچھلی راہ) میں دخول کرنا یا صرف ذکر رگڑنا: اپنی بیوی کے دبر یعنی پچھلے حصہ میں دخول کرنے کے متعلق قرآنِ کریم میں اشارۃً اور احادیث میں صراحۃً ممانعت منقول ہے۔قران کی آیت: نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ﴿البقرۃ:۲۲۳﴾ (تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں۔سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو۔) یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ بیوی کی اس جانب دخول کیا جائے جو مقام، کھیتی کا مقام ہے اور وہ آگے کی جانب ہے نہ کہ پچھلی جانب۔ اس آیت کی یہ تفسیر ابن عباس سے منقول ہے۔ لہٰذا پچھلے راستہ سے دخول کرنے کی حرمت قرآنِ کریم سے ثابت ہوتی ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں صراحت سے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا۔تم اپنی بیویوں کی پچھلی جانب میں دخول مت کرو۔ (سنن الترمذی)

بیوی کی پچھلی راہ پر ذکر رگڑنا یا انگلی داخل کرنا بھی ایک بُری حرکت ہے۔جان کر اس

طرح کے غیر فطری عمل سے اجتناب کرنا چاہیے۔ غلبہ شہوت میں اس طرح کی حرکت سے لواطت جیسی بدفعلی کے گناہ کبیرہ کے سرزرد ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کو عقد نکاح کی وجہ سے ایک دوسرے سے استمتاع اور فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے۔ اس کے لیے فطری طریقہ کے مطابق ہی ہمبستر ہونا چاہیے۔ خلافِ فطرت طریقہ سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔

(دار الافتاء بنوریہ)

(۳۸) جماع کے ذریعہ باہم فخر کرنا: حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جماع کے ذریعہ سے ایک دوسرے پر فخر کرنا حرام ہے۔ (سننِ کبریٰ: ۱۴۰۹۹)

(۳۹) مرد یا عورت کا ہم بستری کے باتیں دوستوں میں بیان کرنا: بستر کی باتیں اپنے دوستوں میں فخر و مباہات کے لیے یا چٹکلوں کے طور پر بیان کرنا جائز نہیں ہے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں بدترین مقام اس شخص کا ہو گا جو اپنی بیوی کے پاس خلوت اختیار کرے اور بیوی اپنے خاوند کے ساتھ خلوت اپنائے اور پھر وہ شخص بیوی کے راز افشا کر دے۔ (مسلم: ۱۴۳۷)

(۴۰) جماع کرنے کا علم حاصل کرنا: یہ علم بھلے اور مہذب، جائز اور مباح طریقے سے سیکھنا چاہیے۔ ہر ضروری چیز کا علم حاصل کرنے حدیث شریف میں حکم آیا ہے۔

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں ہے: وَقالَ ﷺ: ”طَلَبُ العِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ.“ رَوَاهُ أَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

قَوْلُهُ: ”طَلَبُ العِلْمِ فَرِيضَةٌ“؛ وَاعْلَمْ أَنَّ المُرادَ بِالعِلْمِ الَّذِي هُوَ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ: العِلْمُ الَّذِي طَلَبُهُ فَرْضُ عَيْنٍ لَا فَرْضُ كِفايَةٍ، وَذٰلِكَ مُخْتَلِفٌ بِاخْتِلَافِ الأَشْخَاصِ ... وَكَذٰلِكَ مَن يَعْمَلْ عَمَلًا يَجِبُ عَلَيْهِ تَعَلُّمُ عِلْمِ ذٰلِكَ العَمَلِ. (کتاب العلم: ۱/۳۱۸)

وَقِيلَ: ”عِلْمُ البَيْعِ وَالشِّرَاءِ وَالنِّكَاحِ إِذَا أَرَادَ الدُّخُولَ فِي شَيْءٍ مِنْهَا.“

(کتاب العلم: ۱/۳۰۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔“ یہ حدیث سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اس قول ’’علم حاصل کرنا فرض ہے‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ وہ علم مراد ہے جس کا حاصل کرنا ہر شخص پر فرضِ عین ہے، نہ کہ فرضِ کفایہ، اور یہ ہر انسان کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔...اسی طرح جو بھی کوئی کام کرے، اس پر اس کام کے متعلقہ مسائل کا علم حاصل کرنا واجب ہے۔

اور بعض علما نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ علم ہے جو بیع و شراء (خرید و فروخت) اور نکاح وغیرہ کے احکام کا ہے، اگر کوئی ان امور میں داخل ہونا چاہے (تو ان کے مسائل کا سیکھنا اس پر فرض ہو جاتا ہے)۔

————